قسط: 16

اعتبارِ وفا

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔

ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے وہیں کِھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصّہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

”کون، کون ہے...... کیا نام ہے ان کا؟“ نجل کی آواز کانپ رہی تھی۔
”حاتی دادا......“ سنہری نے سرگوشی کی۔
”حاتی دادا......؟ تمہیں یقین ہے؟“ نجل کی آواز اب بھی کانپ رہی تھی۔
”نہیں، یقین تو نہیں ہے۔“ سنہری متذبذب ہوئی۔
”لیکن مجھے شک ہے یقین جیسا...... میں نے ظہورے سے سنا تھا، وہ اماں سے کہہ رہا تھا کہ وہ مان کیوں نہیں جاتیں کہ نجو، حاتی دادا کی اولاد ہے اور وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اسے پورا یقین ہے کہ حاتی دادا ہی نجو کا باپ ہے۔“
”اور...... اور پھر اماں نے کیا کہا؟“ اس نے امید بھری نظروں سے سنہری کی طرف دیکھا۔
”اماں نے اسے ڈانٹ دیا تھا کہ وہ فضول باتیں نہ کرے۔“
نجل کی آنکھیں بجھ گئیں۔
”ہاں، ظہورے کی تو عادت ہے فضول باتیں کرنے کی اور تم بھی سچ سمجھ بیٹھیں۔“
”چلو ظہورے کی بات فضول ہی سہی لیکن تم اماں سے پوچھو تو سہی، اگر اتنا ہی شوق ہے تمہیں جاننے کا تو وہ تمہاری بات نہیں ٹالیں گی...... اتنی تو لاڈلی ہو تم ان کی۔“
”میں نے ایک بار پوچھا تھا لیکن اماں نے کہا انہیں کیا خبر کون ہے میرا باپ۔“ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے اس کے رخسار سرخ ہوئے اور آنکھیں جھک گئیں اور وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کچلنے لگی۔
”خیر، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے کہ اماں کو خبر نہ ہو۔“ سنہری نے دایاں ہاتھ ذرا سا اونچا کر کے جھٹکا۔
”اماں کسی کو منہ ہی کب لگاتی تھیں، بس ایک حاتی دادا تھا یا پھر خان دادا جن کی اماں بہت عزت کرتی تھیں۔ موتیا کہتی ہے، بہت احسان تھے ان کے اماں پر۔“
”اچھا یہ کون لوگ تھے؟“ یک دم ہی نجل کے دل میں تجسس پیدا ہوا۔
”مجھے زیادہ تو نہیں پتا لیکن تمہاری پیدائش سے پہلے ان لوگوں کا بہت آنا جانا تھا چوبارے پر، خان دادا جنہیں وہاں گلی میں سب خانو دادا کہتے تھے، اکثر محفل میں بھی آتے تھے۔ رقص دیکھتے، گانا سنتے تھے لیکن حاتی دادا کبھی محفل میں نہیں آتے تھے۔ بس اماں کے بلانے پر ہی آتے تھے، کبھی کوئی جھگڑا ہو جاتا، کبھی اماں کو کوئی کام ہوتا اور......“ سنہری نے بتایا۔
”تم نے دیکھا تھا انہیں؟“ نجل کے لہجے میں اشتیاق تھا۔
”دیکھا بھی ہو تو مجھے یاد نہیں ہے۔ بیس اکیس سال پہلے میری عمر ہی کتنی تھی بھلا...... ہاں، موتیا اور موراں سے سنا ہے حاتی دادا کی شخصیت بڑی شاندار تھی، بہت وجیہہ تھے اور خانو دادا بھی کچھ کم نہیں تھے لیکن حاتی دادا تو حاتی دادا تھے...... موراں کہتی ہے وہاں تب گلی کی کئی لڑکیاں ان پر مرتی تھیں...... تب ہی تو بقول ظہورے اماں ان پر مرمٹی تھیں۔“
نجل کے دل کی دھڑکن یک دم تیز ہوگئی۔
”تو کیا ظہورا سچ کہتا ہے کہ حاتی دادا......“ اس کے دل میں خیال آیا۔
”دونوں غنڈے، بدمعاش تھے، بڑا رعب تھا ان کا، علاقے میں سب ڈرتے تھے۔ ان کی وجہ سے کسی کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اماں کے چوبارے پر کوئی دنگا فساد کرے۔“
سنہری نے تفصیل سے بتایا۔
”اچھا...... غنڈے تھے۔“ نجل کا تجسس اور اشتیاق یک دم ختم ہوگیا اور اسے لگا جیسے اس کا دھڑکتا دل ایک لمحے کو ساکت ہوگیا ہو۔

''چل دفع کر تو کیا کرے گی باپ کا نام جان کر مرکھپ گیا ہوگا۔ ظہورا کہتا ہے غنڈے تھے، کسی کو قتل وتل کر کے پھانسی چڑھ گئے ہوں گے۔ زندہ ہوتے تو کبھی تو چوبارے پر آجاتے۔ حاتی دادا نہ سہی، خانو دادا تو خاصے شوقین تھے ناچ گانے کے۔'' سنہری نے مزید تفصیل بتائی۔

''دونوں کا کیا رشتہ تھا؟'' سجل نے یوں ہی پوچھ لیا...... ورنہ اب اسے ان کے متعلق جاننے کی کوئی خواہش نہیں رہی تھی۔ اگر وہ ان میں سے کسی کی بیٹی تھی بھی تو وہ کوئی معزز بندے نہ تھے۔

''خانو دادا تو بڑے استاد تھے اور حاتی دادا غالباً ان کا شاگردِ خاص......'' سنہری ہنسی۔

''بلکہ ولی عہد، تب ہی تو دادا کہلاتا تھا۔'' سجل کا چہرہ یک دم سپاٹ ہوگیا تھا اور وہ خاموش بیٹھی سامنے دیوار کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اسے اب سنہری کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہ رہی ہو۔

''سن......'' سنہری کی آنکھیں یکا یک چمکنے لگی تھیں۔ اس نے سجل کے بازو پر ہاتھ مارا۔

''سن سجو چل اسے فون کر۔''

''کسے؟'' سجل نے بے دھیانی سے اسے دیکھا۔

''عظام کو اور کسے؟''

''سچ سجو میری بات مان لے، وہ لڑکا تیری محبت میں آدھا مر چکا ہے باقی کا آدھا تو اسے اپنی اداؤں اور باتوں سے مار ڈال۔'' وہ یک دم اٹھی۔

''چل میں اپنا فون لے کر آتی ہوں۔''

سجل نا سمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی لیکن وہ تیزی سے دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''پتا نہیں عظام کے پاپا آئے ہیں یا نہیں اور پتا نہیں اس نے ان سے بات کی بھی ہے یا نہیں...... اس وقت شاید اس نے جذباتی ہو کر حامی بھر لی ہو اور پھر گھر جا کر جب سوچا ہو تو ارادہ بدل گیا ہو بھلا ایک میرے جیسا بیک گراؤنڈ رکھنے والی لڑکی سے کون شادی کر سکتا ہے لیکن عظام......! سنہری کہتی ہے وہ مختلف ہے، اس نے اس کی آنکھوں میں میرے لیے ایک الوہی محبت کی چمک دیکھی ہے، بڑا پاکیزہ سا جذبہ دیکھا ہے اور شاید سنہری صحیح کہتی ہو۔''

وہ انہی سوچوں میں گم تھی جب سنہری نے لا کر اس کے ہاتھ میں فون پکڑایا۔

''لو میں نے نمبر ملا دیا ہے، بات کر لو۔'' سجل کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی، اس نے سنہری کی طرف دیکھا جو ہونٹوں پر شریری مسکراہٹ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے فون لے کر کان سے لگایا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔

☆☆☆

ثمر حیات دونوں بازو پیچھے باندھے بے چینی سے اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

عظام صوفے پر بیٹھا ثمر حیات کو اِدھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''پاپا پلیز...... بیٹھ جائیں...... آخر آپ اتنے پریشان کیوں ہوگئے ہیں، یہ ایسی پریشانی والی بات نہیں ہے۔''

''کیسے پریشانی کی بات نہیں ہے، اگر ممتاز خان بروقت نہ پہنچتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔''

وہ چلتے چلتے رک کر عظام کو دیکھنے لگا۔

''اور یہ ممتاز خان احمق، اس نے گاڑی کا نمبر تک نوٹ نہیں کیا۔''

''ممتاز خان اور گارڈ دونوں ایک ساتھ ہماری طرف آئے تھے اور وہ لوگ تیزی سے گاڑی بھگا کر لے گئے۔ دراصل وہ غیر متوقع سچویشن دیکھ کر یک دم گھبرا گیا تھا۔''

عظام نے وضاحت کی۔
''اسے گھبرانا نہیں چاہیے تھا...... وہ کوئی نوعمر نوجوان لڑکا نہیں ہے اور اس طرح کے حالات سے پہلی بار سامنا نہیں ہوا تھا اس کا۔''
ثمر حیات نے غصے سے کہا۔
''پاپا پلیز...... ایزی ہو جائیں کچھ نہیں ہوا، سب ٹھیک ہے۔'' عظام باپ کو یوں پہلی بار اس طرح غصے میں دیکھ رہا تھا۔
''آج کچھ نہیں ہوا تو کل کچھ ہو بھی سکتا ہے۔''
ثمر حیات کے لہجے سے خفگی اور پریشانی ایک ساتھ جھلک رہی تھی۔
''پاپا پلیز ریلیکس......!'' عظام اپنی جگہ سے اٹھا اور ثمر حیات کے دونوں بازوؤں پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے اسے بیڈ پر بٹھایا۔
''عظمی......'' اس کے تنے ہوئے اعصاب یک دم ڈھیلے ہوئے تھے۔ اس نے عظام کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے جکڑ لیے۔
''سب کچھ کھو کر، گنوا کر میں نے تمہیں پایا ہے اور میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ اگر وہ لوگ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیتے صرف اس تصور سے ہی میرا کلیجا کٹ رہا ہے۔''
''آپ آج بالکل رواحہ کے بابا کی طرح بات کر رہے ہیں۔'' عظام ہولے سے ہنسا۔
''رواحہ کے بابا کی طرح......؟'' ثمر حیات نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
''ہاں...... وہ بھی اس کے لیے ایسے ہی جذباتی ہو جاتے ہیں۔''
وہ کبھی عظام کے لیے اس طرح جذباتی نہیں ہوا تھا۔ اپنے بیٹے کے لیے دل میں کیا جذبات رکھتا تھا اس نے کبھی اس کا اظہار بھی نہیں کیا تھا، بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ خود بھی اپنے جذبات سے بے خبر تھا، اس نے عظام کے لیے زندگی کی ہر سہولت مہیا کی تھی اور سمجھتا تھا کہ اس نے عظام کے لیے وہ سب کچھ کیا ہے جو کوئی باپ اپنی اولاد کے لیے کر سکتا ہے۔ اس نے اس سے زیادہ عظام کے لیے کبھی نہیں سوچا تھا لیکن جب عظام نے اس کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی اور انہوں نے مری میں اکٹھے کچھ دن گزارے، بس ان ہی دنوں اس پر اپنا آپ ظاہر ہوا...... اور اسے پتا چلا تھا کہ عظام اس کے لیے کیا ہے اور اگر وہ زندہ ہے تو صرف اس لیے کہ اس کے پاس اس کا بیٹا عظام ہے اور اگر عظام نہ ہوتا تو شاید فرحی کے بعد وہ بہت جلد تھک کر ہمت ہار کر آنکھیں بند کر لیتا۔
اس کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی۔
''تم کل سے یونیورسٹی نہیں جاؤ گے عظام۔''
وہ یک دم جذباتی ہو گیا تھا۔ عظام کے ہاتھ ابھی تک اس نے اپنے ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھے۔
''ہم یہاں نہیں رہیں گے...... میں تمہیں لے کر کہیں اور کسی دوسرے ملک چلا جاؤں گا...... میں تمہیں یہاں نہیں رہنے دوں گا۔''
بہت سے خوف ایک دم ہی اس کے دل سے لپٹ گئے۔ جب سے مٹھا سائیں سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ بہت سے واہموں نے اس کے دل میں بسیرا کر لیا تھا اور انہی واہموں میں گھرے اس نے ممتاز خان کو گارڈ کے ساتھ بھیجا تھا۔
''پاپا......!'' عظام نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔
''وہ ہمارے دشمن نہیں تھے، نہ ہی وہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔ وہ رواحہ کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔''

''وہ رواحہ کو اغوا کرنا چاہتے تھے...... لیکن کیوں......؟ کون تھے وہ؟'' اس کے بے قرار دل کو ذرا سا قرار آیا تھا لیکن اب وہ رواحہ کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ عظام کا یہ دوست اسے بہت پسند تھا۔ دل اس کی طرف کھنچتا تھا...... حالانکہ وہ بہت زیادہ نہیں ملا تھا اس سے لیکن جتنی بار بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی اس نے اس کے لیے اپنے دل میں عظام جیسی محبت محسوس کی تھی۔

''ہم نے پہچان لیا تھا انہیں۔''

''پہچان لیا تھا تو رواحہ کے بابا کو چاہیے کہ وہ فوراً اپنے قریبی تھانے میں رپورٹ درج کروائیں ان کے خلاف۔ اگر ان کے خلاف کارروائی نہ کی گئی تو وہ پھر بھی ایسی کوشش کر سکتے ہیں۔''

''جی! لیکن رواحہ کے بابا ایسا نہیں چاہتے، دراصل وہ لوگ......''

عظام نے اپنے ہاتھ ثمر حیات کے ہاتھوں سے نکال کر اس کے گھٹنے پر رکھتے ہوئے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کیا۔

''رپورٹ کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا پاپا...... دراصل ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور وہ لوگ......''

''آخر کون لوگ ہیں وہ اور دشمنی کی وجہ کیا ہے؟'' ثمر حیات نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''ظفری ہمارا یونیورسٹی فیلو ہے، ہم سے سینئر ہے، اس کے فادر ایم این اے ہیں ممتاز سومرو اور اس کے چچا ایم پی اے ہیں، سکندر سومرو لیکن سائیں مٹھا کے نام سے مشہور ہیں۔''

''سائیں مٹھا!''

ثمر حیات کے لبوں سے سرگوشی کی طرح نکلا...... اور اس کے اعصاب پھر کھنچ گئے۔

''بس...... اب نہیں...... اب نہیں سائیں مٹھا...... اب اگر تم نے میرے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو ثمر حیات بھول جائے گا کہ وہ کس عہد میں بندھا ہے۔''

اس کی آنکھوں کے سامنے کلینک کے باہر کھڑا سائیں مٹھا آ گیا۔ سانپ کی سی چمک لیے اس کی آنکھیں جیسے اس کا تمسخر اڑا رہی تھیں...... اور وہ کہہ رہا تھا کہ سائیں مٹھا اپنی بے عزتی نہیں بھولتا کبھی...... ضرور عظام کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کے بندے رواحہ کے پیچھے نہیں عظام کے لیے آئے ہوں گے۔ ضرور اس نے کھوج لگا لیا ہوگا کہ عظام میرا......''نہیں سائیں مٹھا نہیں اب میں تمہیں وار نہیں کرنے دوں گا......'' اس نے دائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر زور سے بیڈ کی پٹی پر ماری۔

''پاپا...... کیا ہوا......؟''

عظام پریشانی سے اس کے چہرے کی بدلتی کیفیات دیکھ رہا تھا۔ اس نے جھرجھری لے کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کو اس کا جی چاہا وہ آج عظام کو سب کچھ بتا گزرے، ایک ایک لمحے کی روداد سنا دے۔ اسے بتائے کہ یہ وہی سائیں مٹھا ہے جس نے اس کا دل نوچ کر پھینک دیا تھا۔ آج اپنے دل میں چھپی ساری کرچیاں وہ عظام کو دکھائے...... سارے زخم، سارے درد...... اذیت ناک یادوں کا کرب اس کی آنکھوں اور چہرے سے جھلکنے لگا۔

''پاپا کیا ہو گیا ہے آپ کو...... بی لیو می ...... کوئی ڈر والی بات نہیں ہے۔''

اس نے بہ مشکل خود کو کمپوز کر کے عظام کو دیکھا۔

''پاپا کوئی بہت بڑا ایشو نہیں تھا، ظفری نے خواہ مخواہ اسے مسئلہ بنا دیا ہے۔''

''تم عظام...... تمہیں یقین ہے کہ وہ لوگ رواحہ کے لیے آئے تھے؟''

''جی پاپا......! ارتفاع ہماری کلاس فیلو ہے۔'' وہ ہولے ہولے پوری بات بتانے لگا۔

''ظفری یونیورسٹی نہیں آ رہا تھا ہم سمجھ رہے تھے وہ شرمندہ ہے بلکہ ہم نے ارتفاع سے کہا تھا کہ اگر وہ سوری کرے تو وہ اس کا سوری قبول کر لے...... معاملہ خود ہی ختم ہو جائے گا...... لیکن آج جب اچانک وہ آ گئے اور رواحہ نے پہچان بھی لیا...... ایک تو ظفری کے چچا کا گارڈ تھا۔''

''رواحہ، پروفیسر صاحب کا اکلوتا بیٹا ہے، اللہ نہ کرے کہ اسے کچھ ہو۔ یہ ظفری، سائیں مٹھا کا بھتیجا ہے تو اسی کی طرح کا ہوگا کینہ پرور، منتقم مزاج......'' اس نے سوچا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا...... لیکن مجھے اس وقت عظام کو پریشان نہیں کرنا چاہیے...... صبح میں خود رواحہ کے بابا سے بات کروں گا۔ انہیں بتاؤں گا کہ وہ کس قدر ظالم اور شقی القلب لوگ ہیں۔ وہ رواحہ کو کہیں دور لے جائیں، یا کچھ اور جو بھی انہیں بہتر لگے۔'' وہ اپنی سوچ میں گم تھا۔

''پاپا آپ کیا سوچنے لگے؟ یقین کریں...... سب کچھ ایسا ہی ہے جیسا میں نے آپ کو بتایا۔'' اس نے چونک کر عظام کو دیکھا۔

''مجھے یقین ہے بیٹا لیکن میں رواحہ کے لیے پریشان ہو رہا ہوں۔''

''پریشانی کی بات تو ہے پاپا لیکن ہم کل خود ظفری سے بات کریں گے۔ وہ خواہ مخواہ معاملے کو نہ بڑھائے۔ ارتفاع اپنی مرضی کی مالک ہے وہ جس سے چاہے بات کرے جس سے چاہے بات نہ کرے۔''

عظام نے ہلکے پھلکے انداز میں بات کی تو اس نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ عظام کو کچھ بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''پاپا آپ پھر کچھ سوچنے لگے۔ اتنے دنوں بعد ہم ملے ہیں کچھ اچھی باتیں کریں ناں......''

اس نے ثمر حیات کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

وہ کتنا پُرشوق تھا، کتنی بے قراری سے ملا تھا اس سے اور اب بھی بڑی پُرامید نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ عظام کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''ہاں، بتاؤ کیسا وقت گزرا رواحہ کے ساتھ؟''

''بہت اچھا...... بہت خوشگوار......'' وہ مسکرایا اور اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

''رواحہ کے بابا بہت شفیق، بہت محبت کرنے والے ہیں۔ وہ بالکل رواحہ کی طرح ہی میرا خیال رکھتے تھے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ اگر میں بھی رواحہ کی طرح انہیں بابا کہوں تو انہیں اچھا لگے گا۔ اور مجھے بھی انہیں بابا کہنا اچھا لگا اور پتا ہے پاپا، خدا بخش چاچا بھی بہت شفیق انسان ہیں۔ وہ رواحہ سے اور بابا سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میرا بھی انہوں نے بہت خیال رکھا۔ میں آپ کو ان سے ضرور ملواؤں گا۔ ویسے آپ کتنے دنوں کے لیے آئے ہیں؟''

''پتا نہیں، کچھ کہہ نہیں سکتا۔ پتا نہیں کب جانا پڑ جائے۔ میں کوشش کر رہا تھا کہ اب کے آؤں تو ہمیشہ کے لیے آؤں...... سو اتنی جلدی آنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن ممتاز خان نے بتایا تم کچھ پریشان تھے۔ پھر مجھ سے رہا نہیں گیا فوراً چلا آیا۔'' اس نے بغور عظام کو دیکھتے ہوئے اس کی پریشانی کا اندازہ لگانا چاہا لیکن وہ اسے پریشان تو نہیں لیکن کچھ بے چین سا لگا۔

''نہیں پاپا میں پریشان نہیں تھا مجھے آپ سے بات کرنا تھی لیکن آپ کا فون بند تھا۔ آپ کا فون کیا رومنگ پر نہیں تھا......؟ آپ واٹس ایپ اور وائبر کیوں یوز نہیں کرتے؟'' اس نے پوچھا۔

''رومنگ پر ہی تھا لیکن کچھ سم کا مسئلہ تھا۔'' ثمر حیات کی نظریں اسی پر تھیں۔

''اور میرے پاس آپ کا کوئی اور کانٹیکٹ نمبر بھی نہیں تھا...... ممتاز خان کے پاس بھی کوئی دوسرا نمبر نہیں تھا...... پاپا پلیز...... اب آپ جائیں تو مجھے کوئی اور نمبر بھی دے جائیے گا۔ وہاں کا کوئی نمبر......؟''

"کیا کوئی خاص بات تھی؟"
ثمر حیات مسکرایا۔
"جی......!" وہ جھجکا۔
"دراصل وہ مجھے......" اس نے جھجک کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ ثمر حیات نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ اس کے اندر کہیں کچھ کلک ہوا......اور بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔
"کیا کوئی لڑکی پسند آ گئی ہے میرے بیٹے کو......؟"
"پاپا وہ......"
عظام کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے باپ کو بجل کے متعلق بتائے۔ وہ کبھی اپنے پاپا سے بے تکلف نہیں رہا تھا...... ایسے جیسے رواحہ اپنے بابا سے بے تکلف تھا۔
"کیا نام ہے اس کا......کہاں ملی؟" ثمر حیات کا لہجہ بہت خوشگوار تھا کچھ دیر کے لیے وہ ساری پریشانی بھول گیا تھا۔
"بجل......" اس نے ایک گہری سانس لی۔ ثمر حیات نے خود ہی پوچھ کر اسے مشکل سے نکال دیا تھا۔
"پاپا دراصل مجھے بجل کے متعلق ہی بات کرنا تھی۔" وہ پھر جھجکا۔
"ارے یار کیا بات کرنی ہے......جو میرے بیٹے کی پسند وہی میری پسند۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
"کہو تو صبح ہی چلتے ہیں دامن پھیلانے۔"
"پاپا مجھے کوئی جلدی نہیں تھی لیکن اب مسئلہ ہو گیا ہے۔ بجل چاہتی ہے کہ آپ اس کی اماں سے رشتے کی بات کر لیں۔"
"تو کر لیتے ہیں بات......"
ثمر حیات کا موڈ اور بھی خوشگوار ہوا۔
"میرے بیٹے کی پسند کوئی معمولی لڑکی تو نہیں ہو گی۔ اور پھر زندگی تم نے گزارنی ہے......جانِ من ریلیکس ہو جاؤ......مجھے ظالم سماج کا کردار ادا کرنے کا کوئی شوق نہیں۔"
"میں جانتا ہوں پاپا اور مجھے آپ پر فخر ہے، دراصل......" وہ کچھ بے چین تھا۔
"کیا اس کے والدین رضامند نہیں؟" ثمر حیات سنجیدہ ہوا۔
"پتا نہیں......پاپا......یہ تو ابھی علم نہیں ہے۔ وہ تو آپ بات کریں گے تو پتا چلے گا، ایک اور بات بھی ہے۔"
اسے بہر حال ثمر حیات کو سب کچھ بتانا تھا بجل کے متعلق......
"وہ بجل کی اماں اسے اداکارہ بنانا چاہتی ہیں جبکہ بجل کو اداکاری سے کوئی دلچسپی نہیں، وہ شوبز میں نہیں جانا چاہتی۔ اس لیے وہ چاہتی ہے کہ ہم شادی کر لیں تاکہ اس کی والدہ اسے مجبور نہ کر سکیں۔"
"کیا مطلب......؟ شادی کر لیں......کیسے؟ اس کے والدین کی مرضی کے بغیر......؟" ثمر حیات کے دل میں ایک ساتھ درد کے کئی نوکیلے کانٹے اتر گئے تھے۔ کیا، کیا اذیتیں یاد نہیں آ گئی تھیں۔
"نہیں......نہیں پاپا......؟" عظام نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔
"بجل چاہتی ہے آپ اس کی والدہ سے رشتے کی بات کریں اور ساتھ ہی فوری شادی کی بھی۔"
"ہوں......" ثمر حیات نے پُر خیال انداز میں سر ہلایا۔
"تمہارا کیا خیال ہے وہ رضامند ہو جائیں گی؟"

''پتا نہیں میں کچھ زیادہ نہیں جانتا ان کے متعلق، بس دو بار سرسری سی ملاقات ہوئی ہے میری ان سے...... لیکن تجل کو یقین ہے کہ اگر کوئی اچھا پرپوزل ہوا تو وہ مان جائیں گی۔''

عظام نے اس کی طرف دیکھا۔

''وہ اسے اداکارہ بنانا چاہتی ہیں، تم نے اس سے پوچھا نہیں کیوں......؟ لوگوں کی خواہش تو ہوتی ہے کہ ان کے بچے ڈاکٹر بنیں...... یہ کیسی خاتون ہیں جو اپنی بیٹی کو اداکارہ بنانا چاہتی ہیں۔''

''شوبز میں پیسہ بہت ہے ناں شاید اسی لیے۔''

''کیا وہ تمہاری کلاس فیلو ہے؟ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟'' ثمر حیات نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں...... وہ اُدھر رواحہ کے پڑوس میں رہتی ہے۔ یونہی بس اتفاقاً ملاقات ہوئی تھی...... اور......'' وہ فیملی بیک گراؤنڈ والی بات گول کر گیا تھا۔ کم از کم آج کے دن وہ اس کے بیک گراؤنڈ کے متعلق بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''اس کے فادر کیا کرتے ہیں...... کیا نام ہے ان کا؟''

''اس کے فادر نہیں ہیں...... والدہ ہیں، ان کا نام شاہجہان بیگم ہے۔'' وہ چونکا...... اس نام نے یک دم ہی جیسے اسے حال سے ماضی میں پہنچا دیا تھا...... تب ہی عظام کے فون کی بیل ہونے لگی۔

عظام نے پاکٹ سے فون نکال کر دیکھا کوئی انجانا نمبر تھا۔ وہ آف کرنے لگا تھا کہ یک دم رک گیا کہیں تجل کا نہ ہو۔ اس کا دل زور سے دھڑکا اور فون آن کرتا ہوا باپ سے معذرت کرتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ لیکن اس نے عظام کی معذرت نہیں سنی تھی۔ اس نے اسے باہر جاتے دیکھا تھا لیکن نام کی مشابہت نے اسے ماضی میں جلیل خان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھا اپنے سامنے سیاہ برقع میں ملبوس شاہجہان بیگم کو دیکھ رہا تھا۔ شاہی محلے کا سن کر اسے اس زور کا دھچکا سا لگا تھا لیکن وہ فوراً ہی حیرت کے اس دھچکے سے باہر آ گیا۔

''آپ کہیں شاہجہان بیگم، کیا مسئلہ ہے؟''

''وہ کیا کہیں صاحب، طیفے بدمعاش نے جینا حرام کر رکھا ہے۔ چوبارہ اجاڑ کر رہ گیا ہے...... صرف خان دادا ہی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔'' وہ اسے تفصیل بتا رہی تھی اور وہ حیرت سے سن رہا تھا۔ وہ جلیل خان کے ان معاملات سے بالکل آگاہ نہ تھا، نہ ہی جلیل خان نے کبھی اس کے متعلق بتایا تھا۔ پتا نہیں جلیل خان کی زندگی کے کتنے پہلو ابھی اس سے پوشیدہ تھے۔

''آپ نے تھانے میں رپورٹ کی؟''

''تھانے میں رپورٹ؟'' وہ قہقہہ مار کر ہنسی تھی۔

''پولیس تو خود ہڈ حرام ہے اور ایسے بندوں سے پیسے کھاتی ہے...... ہمیں تو خان دادا ہی اس بندے سے نجات دلا سکتے ہیں...... بس کسی طرح انہیں اطلاع پہنچا دو کہ شاہجہان بیگم بہت مشکل میں ہے، بہت تکلیف میں ہے۔ خان دادا اڑ کر پہنچیں گے ہماری مدد کو...... بہت انتظار کیا صاحب، بہت صبر کیا کہ خود ہی سب ٹھیک ہو جائے، خان دادا کو تکلیف نہ دیں...... لیکن کیا کریں مجبور ہو گئے ہیں۔ ظہور اصرف بڑک مار سکتا ہے...... شیدا ٹانگیں تڑوا کر بیٹھا ہے۔ وہ کمبخت جیسے ہی قدم رکھتا ہے۔ سب کونوں کھدروں میں گھس جاتے ہیں۔ زنخے بھرے ہیں سب وہاں، کب کب کس کس کی مدد نہیں کی میں نے اور میرے وقت سب ہی منہ چھپا کر بیٹھ گئے۔ کیا کریں جی سب کو اپنی عزتیں پیاری اور اپنا مفاد عزیز ہے اگر گلی والے ایکا کر لیں تو مجال ہے کہ وہ گلی میں گھس سکے۔'' وہ مسلسل بول رہی تھی جب اس نے اسے ٹوک دیا۔

''ٹھیک ہے بی بی میں دادا سے بات کرتا ہوں پھر جو اُن کا حکم ہوا۔''

"بس دادا کو اطلاع مل گئی تو کام ہو گیا صاحب......"

وہ برقع کے کھل جانے والے بٹن بند کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ بھی کبھی غریب خانے کو رونق بخشیے...... یقین کیجیے نصیب جاگ اٹھیں گے ہمارے۔"

جاتے جاتے اس نے دعوت دی تھی اور وہ جی بھر کے بیزار ہوا۔

لیکن اگلی صبح وہ ملاقاتی کمرے میں جلیل خان کے سامنے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"آپ نے بھی سر جانے کیا، کیا بکھیڑے پال رکھے ہیں۔"

"بکھیڑے کیسے ثمر حیات...... ایک بار شاہی مسجد کے قریب کچھ لوگوں سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ وہ زیادہ تھے میں اکیلا...... زخمی ہو گیا...... سر پھٹ گیا...... گو میں خالی ہاتھ تھا پھر بھی وہ مار کے بھاگے...... میں ان کے پیچھے تھا...... رات کا وقت تھا...... وہ شاہی محلے میں گھس گئے اور میں بھی ان کے پیچھے...... لیکن شاہجہان بیگم کے دروازے پر ٹھوکر کھا کر گر پڑا...... اور ایسا گرا کہ ابھی تک وہاں ہی گرا ہوا ہوں۔" اس نے اونچا قہقہہ لگایا تھا۔

"شاہجہان مجھے اندر کھینچ کر لے گئی تھی۔ مرہم پٹی کی...... دو روز دیکھ بھال کی تو بس تب سے اس کے احسان کا بدلہ چکا رہا ہوں۔"

وہ پھر ہنسا تھا۔

"بیچاری عورتیں...... کبھی کبھی مصیبت میں پھنس جاتی ہیں۔ تم ایسا کرنا کل یا آج مغرب کے بعد شیر خان کے ساتھ چکر لگا کر دیکھنا کون پھنّے خان ہے وہ جو......" اس نے گالی دی تھی پھر جیسے چونکا...... "کیا نام بتایا تھا تم نے؟"

"طیفا...... سر...... یہی نام بتایا تھا شاہجہان نے؟"

"ہاں...... اوئے...... وہ الو کا...... وہی ہے ناں جس کی ناک پچکی ہوئی ہے اور دائیں آنکھ کے کونے میں بڑا سا مسّہ ہے۔"

"پتا نہیں سر......"

اس نے جلیل خان کی طرف دیکھا تھا۔

"میں نے تو نہیں دیکھا اسے۔"

"ہاں وہی ہے، جانتا ہوں۔" جلیل خان نے سر ہلایا۔

"آج کل بڑے پر پُرزے نکال رہا ہے۔ کہہ دینا جا کر اسے کہ آج کے بعد اگر شاہجہان کے چوبارے پر قدم رکھا تو ٹانگیں توڑ کر پھینک دوں گا اور ماس...... چیل کو کھلا دوں گا...... بول دینا اسے زیادہ پھنّے خان نہ بنے...... اس نے ابھی صرف جلیل خان کی فیاضی دیکھی ہے۔"

"میں...... سر میں جاؤں وہاں؟"

وہ جھجکا تھا۔ "شاہی محلے......" کا نام سن کر اس کی جھجک لازمی تھی۔

"اوکے، تو تم نے کون سا دل پشوری کرنے جانا ہے۔ ایک بیچاری خاتون کی مدد ہی تو کرنی ہے، پھر اتنی سی عمر میں اتنا زاہد خشک نہ بن...... ذرا آج اسی بہانے اس گلی کی رونق بھی دیکھ لے۔"

اس نے سر ہلایا تھا لیکن دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ وہاں ہرگز قدم نہیں رکھے گا۔ بلکہ شیر خان کے ساتھ کسی اور کو بھیج دے گا۔ ہاں اگر معاملہ نہ سلجھ سکا تو مجبوراً جانا پڑے گا۔ بہر حال وہ ایک مظلوم عورت تھی۔ بھلے لوگوں کے لیے قابلِ نفرت ہی سہی لیکن اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی تھی...... لیکن شام کو وہ خود بھی تیار ہو کر شیر خان کے ساتھ چل پڑا تھا۔ پتا نہیں اب یہ صرف ایک مظلوم کی مدد کا خیال تھا...... جلیل خان کے حکم کی تعمیل تھی یا اندر کہیں اس محلے کو دیکھنے

کی چاہ بھی تھی جس کا ذکر وہ سنتا اور پڑھتا چلا آیا تھا...... شاہی مسجد کے قریب گاڑی پارک کر کے وہ پیدل ہی قلعے کی بوسیدہ دیواروں کو تکتے ہوئے سر جھکائے آگے بڑھ رہا تھا۔ دل عجیب طرح سے دھک دھک کر رہا تھا۔ کئی بار خیال آیا کہ وہ یہاں سے ہی پلٹ جائے اور شیر خان کو جانے دے لیکن دل میں آنے والے خیال کے برعکس وہ یونہی سر جھکائے چلتا ہوا شیر خان کے ساتھ گلی میں داخل ہو گیا۔ اندر پیلی تیز روشنیوں والے بلب جل رہے تھے۔ موتیے اور گلاب کے پھولوں کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ پھولوں والی دکانوں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ کہیں کسی دکان سے خریدار پھول خرید رہے تھے۔ وہ تھوڑا سا اور آگے بڑھے تو بوسیدہ لکڑی کی رنگ اُڑی بالکونیوں، دروازوں اور دریچوں پر رنگین آنچل لہرا رہے تھے، کبھی کی پڑھی منٹو کی کہانیوں کے منظر آنکھوں کے سامنے آئے تو اس نے گھبرا کر شیر خان کی طرف دیکھا۔

''شیر خان کسی سے شاہجہان کے گھر کا تو پوچھو۔''

شیر خان نے ایک پان کی دکان پر رک کر شاہجہان کا پتا پوچھا تو اس نے کتھے والی انگلیاں چاٹتے ہوئے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

''ارے یہی تو ہے سامنے شاہجہان بیگم کا چوبارہ......'' انہوں نے قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ جانے کس نے شاہجہان بیگم کو خبر کر دی تھی کہ وہ خود ہی لپکتی جھپکتی باہر آ گئی تھی۔

''آیئے...... آیئے صاحب آ جایئے۔'' وہ انہیں لیے اندر داخل ہوئی۔ یہ ایک بڑا ہال نما کمرا تھا جس کے آدھے فرش پر قالین بچھا تھا۔ اور سرخ ساٹن کے غلاف والے گاؤ تکیے رکھے تھے۔ وہ اس ہال نما کمرے سے گزر کر انہیں ایک اور کمرے میں لے آئی تھی جس میں ایک صوفہ اور ایک ڈبل بیڈ تھا۔

''بیٹھیے صاحب......'' اس نے انہیں صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

''شیدے نے آپ کو گلی کی طرف آتے دیکھا اور دوڑتا ہوا آیا اور اس نے بتایا کہ خان دادا کے بندے آ رہے ہیں۔ مانو میں تو قربان ہی ہو گئی۔ مجھے پتا تھا کہ خان دادا میری درخواست پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔''

''نہیں شکریہ ہم بیٹھنے نہیں آئے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ یک دم ہی اسے کوفت سی ہونے لگی تھی۔

''تمہارا وہ طیفا، بدمعاش نہیں آیا؟''

''آتا ہی ہوگا...... بس آپ بیٹھو آرام سے۔'' اس نے ایک بار پھر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور خود دروازے سے سر نکال کر آواز دینے لگی۔

''موراں...... او موراں...... اِدھر مر جلدی آ دو ٹھنڈی بوتلیں لے آ......''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے منع کیا۔

تیرہ چودہ سال کی ایک دبلی پتلی سانولی سی لڑکی اندر آئی تھی۔

''جا بھاگ کے پکڑ لا دو بوتلیں......''

''نہیں...... ضرورت نہیں ہے۔'' اس بار اس نے سختی سے منع کیا تھا۔

''اچھا پان تو لیں گے ناں...... کیا غضب کی گلوری بناتا ہے اپنا شیرو...... گھنٹوں منہ مہکا رہتا ہے، اصلی چاندی کے ورق میں لپیٹ کر دیتا ہے۔'' اس سے بات کرتے کرتے اس نے موراں کی طرف دیکھا۔

''جا ناں...... کھڑی منہ کیا تک رہی ہے، بھاگ کر دو میٹھے خوشبو والے پان پکڑ لا...... شیرو سے کہنا خاص مہمان ہیں۔''

''توبہ کس قدر بولتی ہے یہ عورت......'' وہ از حد بیزار ہوا تھا۔ ایک بار تو...... اس کا جی چاہا تھا شیر خان کو اکیلا

چھوڑ کر چلا جائے۔ شیر خان کون سا کسی سے کم ہے۔ نبڑ لے گا خود ہی اس سے...... لیکن پھر اس نے خود ہی اس خیال کو جھٹک دیا...... اب یہاں تک آ گیا تھا تو اس پھنّے خان کو بھی دیکھ لے۔ موراں، شاہجہان کے آرڈر پر بھاگ گئی تھی وہ بیزار سا بیٹھ گیا تھا۔ اور اس نے شیر خان کو بھی بیٹھنے کے لیے کہا تھا...... شاہجہان بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا بتاؤں صاحب کتنی رونق ہوتی تھی یہاں پر، اس کمبخت نے وہ دنگا فساد کیا یہاں آ کر کہ اب اس کے ڈر سے کوئی جھانکتا بھی نہیں...... کہتا ہے میرے اور میرے بندوں کے علاوہ کسی نے یہاں قدم رکھا تو ٹانگیں توڑ دے گا۔ گردن دبا دے گا۔''

وہ پھر شروع ہو چکی تھی...... اور ابھی نہ جانے کب تک بولتی کہ ظہورا اندر داخل ہوا۔

''وہ آ گیا ہے...... شیرو سے پان بنوا رہا ہے...... تین بندے ساتھ ہیں۔''

شاہجہان بوکھلا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''اندر آنے دو دیکھ لیتے ہیں اسے۔''

''آپ ابھی اِدھر ہی بیٹھو میں دیکھتی ہوں۔'' شاہجہان بڑی پھرتی سے باہر نکل کر غالباً اسی ہال نما کمرے میں گئی تھی۔ لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ بھی شیر خان کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا ہال میں آیا تھا۔ شاہجہان ہال کے وسط میں ہراساں سی کھڑی تھی اور ظہورا اس کے استقبال کے لیے دروازے پر کھڑا تھا۔

''ایک بات کا دھیان رکھیے گا صاحب یہاں خون خرابہ نہ ہو...... بس زبانی کلامی سمجھا دیجیے گا۔''

اس نے شیر خان کو ریوالور نکالتے دیکھ لیا تھا۔

''اور اگر وہ زبانی کلامی نہ سمجھا تو......؟'' شیر خان نے ریوالور دوبارہ جیب میں ڈال لیا تھا۔

''ویسے لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔''

''تمہاری بات ٹھیک ہے شیر خان لیکن خون خرابے سے چوبارہ بدنام ہو جاتا ہے، ایک بار......'' وہ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی تھی کہ دروازہ زور سے کھلا...... اور وہ اندر داخل ہوا۔ ثمر حیات نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ بوسکی کا کرتا لٹھے کی کلف لگی شلوار، سنہری زری کی کھیڑیاں اور کندھے پر قیمتی چادر...... دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے دائیں مونچھ کو بل دیتا ہوا یہ وہی تھا پچکی ناک اور بڑے سیاہ مسّے والا...... اس کے پیچھے اس کے تینوں بندے بھی اندر آئے تھے۔ ان پر ایک نظر ڈال کر اس نے شاہجہان کی طرف دیکھا تھا۔

''یہ تو نے آج پھر تماش بین اکھٹے کر لیے...... کیا کہا تھا میں نے تم سے کہ اِدھر اب کوئی نہیں آئے گا۔'' وہ بولا۔

''چل اوئے اِدھر سے نکلو...... گم کرو اپنی شکلیں۔'' اس کے بندوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا تھا جبکہ طیفا اسی بے نیازی سے مونچھ کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے مروڑتا ہوا کارپٹ کی طرف بڑھتے ہوئے شاہجہان بیگم کے قریب رکا تھا۔

''بلا ذرا اس چھمک چھلو کو آج کچھ ایسا پیش کرے کہ پھڑک اٹھوں۔''

''اوئے تم ابھی تک کھڑے کیا پٹر پٹر تک رہے ہو، ہٹو یہاں سے۔'' اسی بندے نے آگے بڑھ کر شیر خان کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

وہ شیر خان سے ذرا پیچھے کھڑا گہری نظروں سے طیفے کو دیکھ رہا تھا جب شیر خان نے اس بندے کا ہاتھ جھٹک کر اس کی کلائی پکڑ کر مروڑ دی۔ وہ درد سے بلبلایا تو طیفا بیٹھتے بیٹھتے رک گیا اور شیر خان کو زہریلی نظروں سے گھورنے لگا۔ اس کی پچکی ہوئی ناک کے نتھنے پھڑکنے لگے تھے۔

''کون ہو تم اور تمہیں جرأت کیسے ہوئی طیفے کے بندے کا بازو مروڑنے کی۔ اور سنا نہیں تھا تم نے، چلتے

پھرتے نظر آؤ یہاں سے ورنہ......"

"ورنہ کیا؟"

وہ آگے بڑھا تھا...... لیکن اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے طیفے نے اپنے بندوں کو اشارہ کیا۔

"اٹھاؤ انہیں اور پھینک آؤ باہر کسی گندے نالے میں۔" وہ واپس کارپٹ کی طرف مڑا تو اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ہمیں جلیل خان نے بھیجا ہے۔"

"کون جلیل خان......؟" وہ پلٹتے ہوئے جیسے دہاڑا تھا۔

"تم احسان فراموش، گندی نالی کے کیڑے، تم نہیں جانتے جلیل خان کو؟"

شیر خان جو قدرے اندھیرے میں تھا یک دم روشنی میں آیا۔ اس کی آنکھوں میں روشنی کی چمک نظر آئی پھر یک دم اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور اس کا مونچھوں کو بل دیتا ہاتھ نیچے گر گیا۔ اب ثمر حیات نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بہت آہستہ لیکن مضبوط آواز میں اسے جلیل خان کا پیغام دیا تھا۔ طیفے کا سر جھک گیا تھا۔ اس نے سر جھکائے جھکائے اپنے بندوں کو باہر جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اور ان کے جاتے ہی یکا یک ثمر حیات کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

"معاف کر دیں دادا...... میں جلیل خان کا غلام اس کے در کا کتا...... خان دادا کہے تو میں اپنی گردن خود کاٹ کر اس کے سامنے رکھ دوں...... غلطی ہو گئی...... خان دادا سے کہیں مجھے معاف کر دیں۔" اس نے سر ہلایا تھا۔

"دادا...... میں اپنے باپ کی اولاد نہیں اگر دوبارہ یہاں بلکہ اس گلی میں قدم رکھوں۔"

پہلی بار اس کے لیے دادا کا لفظ طیفے نے استعمال کیا تھا اور اسے دل ہی دل میں ہنسی آئی تھی۔ کیا وہ دیکھنے میں دادا ٹائپ لگتا ہے؟ وہ صوفی نصیر کا بیٹا...... برصغیر میں تقسیم سے پہلے ہندوستان میں اڈوں اور باڑوں کے استاد دادا کہلاتے تھے۔ پتا نہیں اب بھی ایسے اڈے پاڑے ہوں گے۔ وہ نہیں جانتا تھا لیکن وہ نہ تو کسی اڈے کا دادا تھا نہ استاد وہ تو جلیل خان کا ایک کارکن تھا لیکن نہیں جانتا تھا کہ ایک روز لوگ اس کا اصل نام بھول جائیں گے اور ایک طویل عرصے تک دادا کا نام اس کے نام سے جڑا رہے گا۔ پہلے حیات دادا پھر حیاتی دادا اور پھر حاتی دادا......

طیفا اٹھا تھا اور سر جھکائے جا رہا تھا۔

"تم نے اچھی طرح سن لیا ہے ناں پھر کبھی یہاں قدم رکھا اور شاہجہان بیگم کی لڑکیوں کو تنگ کیا تو کان کھول کر سن لو پھر عمر بھر اپنی ٹانگوں پر نہ چل سکو گے۔"

اس نے اسی مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ طیفے نے اب زبان سے کچھ نہیں کہا تھا بس ہاتھ جوڑ دیے تھے اور تیزی سے باہر نکل گیا تھا اور اس کے جاتے ہی جیسے سوئے ہوئے چوبارے میں زندگی جاگ اٹھی تھی۔ موراں نہ صرف مراد آبادی نقشین پلیٹ میں چاندی کے ورق میں لپٹے پان لے آئی تھی بلکہ ٹھنڈی ٹھنڈی بوتلیں بھی لے آئی تھی۔ شاہجہان نے منہ کھولے کھڑے شیدے کو گھورا تھا۔

"منہ کیا دیکھ رہا ہے...... اندر سے موڑھے پکڑ کر لا اور چھوٹی تپائی بھی پکڑ لا۔"

"نہیں بس اب ہم چلیں گے۔ اگر پھر کوئی مسئلہ ہو تو فون کر دیجیے گا۔"

"ارے نہیں ایسے کیسے جانے دوں آپ کو......" شاہجہان ان کی خاطر تواضع کے لیے بچھی جا رہی تھی۔ شیدا موڑھے لے آیا تھا اور تپائی بھی۔ موراں نے جھٹ سے پان اور بوتلیں تپائی پر رکھی تھیں۔ شاہجہان نے پھر اسے ڈپٹا تھا۔

''موراں تجھے کب عقل آئے گی جا گلاس لے کر آ......اب کیا یہ بوتلیں منہ سے لگائیں گے۔'' اس نے.... بے بسی سے شیر خان کی طرف دیکھا اور بیٹھ گیا۔

''موراں نے گلاسوں میں بوتلوں کا ٹھنڈا مشروب انڈیلا اور گلاس ان کی طرف بڑھائے۔ تب ہی رنگین کپڑوں میں ملبوس مہکتی ہوئی چند لڑکیاں نہ جانے کہاں سے آ کر ہال میں اکھٹی ہو گئی تھیں۔ وہ چہک رہی تھیں۔ خوش ہو رہی تھیں اور اس کی طرف اشارے کر کے سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ وہ گھبرا سا گیا تھا۔

''ہم چلتے ہیں۔'' اس نے خالی گلاس تپائی پر رکھا اور اٹھنا چاہا۔

''ارے نہیں صاحب بیٹھیے ناں کچھ دیر تو......'' شاہجہان نے پھر اصرار کیا اور پان پیش کیے۔

اس کے بے حد اصرار پر اس نے پان اٹھا کر منہ میں ڈال لیا اور پان منہ میں ڈالتے ہی اسے نہ جانے کیا کیا کچھ یاد آ گیا تھا۔ وہ جب چھوٹا تھا اور ہر عید پر اماں سے کہہ کر میٹھا پان لے کر آتا اور اصرار کر کے اماں کو بھی کھلاتا...... بڑا ہونے پر بھی اس کی یہی روٹین رہی تھی۔ دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی کتنے سالوں بعد آج اس نے میٹھا پان کھایا تھا۔ اماں، ابا کے چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ وہ اس کا کھلے صحن والا گھر اور برآمدے میں دیوار پر لگا وہ بڑا سا آئینہ جس میں پان کھا کر وہ بار بار اپنے سرخ ہو جانے والے ہونٹ دیکھتا تھا۔ اماں ہنستی تھیں لیکن وہ ان کی ہنسی پر شرمندہ نہ ہوتا تھا۔ پان وہ صرف عید پر ہی کھاتا تھا کیونکہ ابا نے سمجھایا تھا کہ پان کھانے سے دانت گندے ہو جاتے ہیں۔ وہ کھو سا گیا تھا اسے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ کب وہ رنگ برنگے کپڑوں والی لڑکیاں غائب ہوئی تھیں اور کب وہ گہرے سانولے رنگ کی بنگالی نقوش والی لڑکی اندر ہال میں آئی تھی۔ کیسے سب کچھ لمحوں میں ختم ہو گیا تھا۔ اس کا گھر، اماں، ابا...... ایک گہرا درد اس کے دل میں ہلکورے لینے لگا اور آنکھوں سے چھلکنے لگا تھا۔

''صاحب اٹھیے...... آرام سے نیچے بیٹھ جائیں، آپ کو کوئل کا گانا سنواتے ہیں۔''

شاہجہان نے کہا تو اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ تب ہی ظہورا بھی آ گیا۔

''ایسا بھلکا ہے ناں کہ سر بھی نہیں اٹھایا۔ گلی کے باہر تک اس کے پیچھے گیا ہوں۔ شاہجہان بیگم آج تو اس خوشی میں کوئل کا گانا سنوا دو۔'' وہ چہکا تھا۔

''ہاں، ہاں اسی لیے تو بلوایا ہے اسے۔''

''ہائے دادا کیا بتاؤں کیا آواز ہے، کیا لوچ ہے، بندہ کوئل کی آواز میں ڈوب جاتا ہے، کھو جاتا ہے۔''

وہ اب اس سے مخاطب تھا۔

وہ احتجاج کرنا چاہتا تھا منع کرنا چاہتا تھا لیکن اندر شاید کہیں کوئی خواہش چھپی بیٹھی تھی۔ خواب کے سے عالم میں وہ گاؤ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پتا نہیں کب سازندوں نے ساز سنبھالے تھے اور کب اس سانولی لڑکی نے مرتضٰی برلاس کی غزل شروع کی تھی۔

جب آ کے سناتا ہے عدو تیری خبر ہر روز
ہم پر تو قیامت سی گزر جاتی ہے ہر روز

کوئل کی آواز میں واقعی جادو تھا۔ وہ گم سا ہو گیا تھا۔ یہ پہلی اور آخری بار تھی جب اس نے شاہجہان کے چوبارے پر گانا سنا تھا۔ حالانکہ جب جب وہ شاہجہان کے چوبارے پر آیا تھا اس کا جی چاہا تھا کہ ایک بار پھر اس کا گانا سنے لیکن اس نے کبھی شاہجہان سے کہا نہیں تھا۔ ورنہ شاہجہان تو منتظر رہتی تھی کہ وہ کوئی فرمائش کرے اور وہ اسے پورا کرے۔ اس رات وہ کوئل کا گانا سن کر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور گلی سے نکلتے ہوئے اس نے عہد کیا تھا کہ وہ اب کبھی یہاں قدم نہیں رکھے گا اگر فرحی کو پتا چلا کہ اب وہ ایسی جگہوں پر بھی جانے لگا ہے تو وہ کتنی خفا ہوگی۔ کبھی

جب جلیل خان آجائے گا اور وہ ایک نئی زندگی شروع کریں گے تب وہ فرحی کو اس کے متعلق بتائے گا...... اور یہ بھی کہ وہاں دو بندوں نے اسے دادا کہہ کر بلایا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں یہاں نہ آنے کے عہد کو کئی بار دُہرایا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ انسان کے ارادے اور عہد تو ریت کی دیوار کی طرح ہوتے ہیں۔ اس روز وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ یہاں ایک بار نہیں کئی بار آئے گا...... اور یہ پہلی بار نہیں تھی اس کے بعد بھی وہ کئی بار آیا تھا۔ ایک بار ریکھا کو پولیس والے تنگ کر رہے تھے...... اس کی لڑکیوں کو باری باری تھانے بلاتے اور بلاوجہ ہی لاک اپ میں بند کر دیتے۔ دراصل ریکھا نے اپنے علاقے کے ایس ایچ او سے پنگا لے رکھا تھا۔ اور وہ جان بوجھ کو اسے تنگ کر رہا تھا۔ ایک بار رانو بیمار پڑ گئی تھی اور اس کے علاج کے لیے نہ تو پیسہ تھا اور نہ ہی کوئی ڈاکٹر اس کا علاج کرنے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ ہر بار شاہجہان ہی اس کے پاس آتی تھی یا فون کر دیتی تھی۔ پہلی بار کے بعد اس نے پھر جلیل خان سے نہیں پوچھا تھا وہ سمجھ گیا کہ جلیل خان نے مدد کے لیے آنے والوں کو کبھی انکار نہیں کیا تھا...... وہاں شاہی محلے میں سب ہی اس کی عزت کرتے تھے۔ پھولوں والوں سے لے کر چوبارے والی لڑکیاں تک سب اسے حیاتی دادا کہنے لگے تھے۔ کوئی بھی مسئلہ ہوتا اس کے پاس آتے...... وہ جلیل خان پر حیران ہوتا تھا۔

وہ اب اور بے چینی سے جلیل خان کی رہائی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ ہر پندرہ دن بعد خانیوال آجاتا تھا...... فرحی اپنے بچوں میں مگن تھی۔ ہر بار اس کا دل مچلتا کہ وہ پلٹ کر اس دنیا میں نہ جائے اور یہاں ہی خانیوال میں رہ جائے...... وہ دنیا اس کے لیے نہیں تھی...... وہ پندرہ سولہ سال گزرنے کے بعد بھی خود کو اس میں اَن فٹ سمجھتا تھا۔ ایک بار وہ فرحی اور بچوں کے ساتھ ایبٹ آباد جا کر کچھ گھر بھی دیکھ آیا تھا۔ فرحی کو ایک گھر پسند آگیا تھا...... وہ وہاں جلیل خان کے کسی دوست کے ہاں ٹھہرے تھے اور جلیل خان کے کہنے پر ہی وہاں گئے تھے اور جلیل خان کے دوست نے ہی انہیں گھر دکھائے تھے...... تاہم گھر کا سودا نہیں ہو سکا تھا کیونکہ وہ گھر جو فرحی نے پسند کیا تھا اس کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ کچھ دنوں بعد پھر چکر لگائیں گے انہوں نے جلیل خان کے دوست سے کہا تھا کہ وہ ان کے لیے کوئی اچھا لیکن مناسب قیمت والا گھر دیکھ کر رکھے...... لیکن پھر وہ ایبٹ آباد نہ جا سکے تھے حالانکہ جلیل خان کے دوست نے انہیں بلایا تھا کہ ان کی پسند کے عین مطابق ایک گھر مل گیا ہے اور مالک مناسب قیمت مانگ رہا ہے۔ ریحان کی طبیعت ان دنوں بہت خراب رہنے لگی تھی۔ کمزور تو وہ شروع سے تھا لیکن ایکٹو تھا مگر اب اچانک اسے سانس کی تکلیف شروع ہو گئی تھی۔ حتیٰ کہ بعض اوقات فیڈر لیتے ہوئے بھی اس کی سانس اکھڑتی تھی...... وہ بہت پریشان تھے۔ خانیوال میں فرحی نے کئی ڈاکٹروں کو دکھایا لیکن روز بروز جسے وہ بگڑتا جا رہا تھا۔ پھر ایک ڈاکٹر نے خیال ظاہر کیا کہ اسے لنگز کا نہیں دل کا پرابلم ہے۔ شاید دل میں سوراخ ہے۔ اس نے ہی انہیں ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر شہریار کو دکھانے کا مشورہ دیا تھا جو اُن دنوں اسلام آباد میں تھے اور دل کے ایسے کئی آپریشن کر چکے تھے۔ وہ شیر خان اور دلدار کے علاوہ جلیل خان کے ایک اعتبار کے بندے افضل کو خان ہاؤس میں چھوڑ کر اور سارے معاملات ان کے سپرد کر کے خود فرحی کو اور بچوں کو لے کر اسلام آباد آگیا تھا...... ڈاکٹر شہریار نے تصدیق کر دی تھی کہ ریحان کے دل میں سوراخ ہے۔ ابتدا میں وہ ہوٹل میں رہے تھے لیکن پھر انہوں نے ایک چھوٹا سا گھر کرائے پر لے کر روحان اور زیتون بانو کو بھی بلا لیا تھا۔ وہ تقریباً دو ماہ اسلام آباد میں رہے تھے۔ ریحان کا آپریشن ہو گیا تھا۔ شروع میں ہر ہفتے اور پھر پندرہ دن بعد وہ اسے ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے لے کر جاتے رہے تھے۔ وہ صحت مند ہو رہا تھا اس کے رخساروں پر سرخی آگئی تھی جب وہ ڈاکٹر سے اجازت لے کر خانیوال آئے تھے۔ لیکن وہاں آنے کے چند دن بعد ہی اس کی طبیعت پھر بگڑ گئی تھی۔ وہ جب لاہور جانے کی تیاری کر رہا تھا، لاہور کا ارادہ ملتوی کر کے ایک بار پھر اسلام آباد آگیا تھا۔ ایک بار پھر اس بچے کو آپریشن کی تکلیف سے گزرنا پڑا تھا لیکن ایک امید تھی جو دل کے تاروں سے جڑی

تھی کہ وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ فرحی کی پلکیں ہر وقت بھیگی رہتیں۔

''فرحی دعا کرو اللہ ہماری دعا ضرور سنے گا۔'' وہ اسے تسلی دیتا لیکن سب دعائیں ہتھیلیوں پر ہی اٹکی رہ گئیں اور ریحان نے آنکھیں بند کرلیں۔ یہ بہت کڑا وقت تھا اس کے لیے اور فرحی کے لیے بھی...... فرحی یوں تڑپ، تڑپ کر روتی کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

''کیا ہماری سزا کبھی ختم نہیں ہوگی ثمر......؟'' وہ بھی منفی انداز میں سوچنے لگی تھی۔

''تم تو ایسی نہیں تھیں فرحی...... پھر اس طرح کیوں سوچ رہی ہو...... یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے۔ تم خود ہی تو کہتی تھیں کہ اللہ بعض اوقات اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ اللہ سے صبر کی دعا مانگو اس کی چیز تھی اس نے لے لی۔''

وہ اسے سمجھاتا لیکن بچے کی موت نے ایسا گھاؤ لگایا تھا جسے بھرنے میں وقت لگنا تھا۔ اس گھاؤ نے کتنے ہی پرانے زخموں کے منہ کھول دیے تھے...... فرحی کو سمجھاتے سمجھاتے وہ خود حوصلہ کھو دیتا تھا۔ ریحان کے بعد بھی وہ لاہور نہ جاسکا۔ جب بھی اس نے لاہور جانا چاہا فرحی کے آنسو اسے زنجیر کر لیتے...... وہ سراپا شکوہ تھی۔

''ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا ثمر؟'' وہ بے تحاشا روتی اور اسے اس حال میں چھوڑ کر جانا اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

کبھی فرحی اسے سمجھاتی تھی...... اب اس نے یہ فرض سنبھال لیا تھا...... اور چاہنے کے باوجود لاہور نہیں جا پا رہا تھا۔ اسے لاہور سے آئے تین ماہ ہو گئے تھے...... ان تین ماہ میں کئی ایسے معاملات تھے جنہیں خود ہی شیر خان وغیرہ نے نبٹا دیا تھا کیونکہ جلیل خان نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ وہ ثمر حیات کو پریشان نہ کریں لیکن پھر بھی تین ماہ بعد شیر خان کا فون آ گیا تھا۔

''میں آپ کو اب بھی پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کچھ ایسے معاملات آ پڑے ہیں کہ ہم تنہا کچھ نہیں کر سکتے۔ خان دادا سے بھی ملاقات نہیں ہو پا رہی...... آپ کے دکھ کا احساس ہے مجھے لیکن مجبوری ہے۔''

''کہو شیر خان کیا مسئلہ ہے؟''

''بیگم عبدالغفور کو ایک شخص بہت تنگ کر رہا ہے۔ وہ ان کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور انہیں دھمکاتا ہے کہ اگر انہوں نے رشتہ نہ دیا تو لڑکی اٹھا لے گا یا چہرے پر تیزاب ڈال دے گا...... دو تین بار ہم نے زبانی کلامی سمجھایا ہے لیکن وہ باز نہیں آ رہا...... خدانخواستہ کچھ ایسا واقعہ ہو گیا تو دادا تو دادا ہم بھی محلے میں سر اٹھا کر نہ چل سکیں گے۔'' وہ تفصیل بتا رہا تھا اور ثمر حیات خاموشی سے سن رہا تھا۔

''شاہجہان بیگم بھی دو تین چکر لگا چکی ہیں کافی پریشان ہیں...... کوئی بڑا ہی مسئلہ ہے انہیں بھی...... اور سب سے بڑھ کر بسمل خان، سنگاپور اور ہانگ کانگ سے کافی مال لے کر آیا ہے...... کسی اور سے بھی بات چیت چل رہی ہے اس کی، کہہ رہا تھا کہ اگر ہم نے مال نہ اٹھایا تو کسی اور کو دے دے گا، گولڈ بھی لایا ہے...... اِدھر کسٹمر بھی مال کا تقاضا کر رہے ہیں...... اگر ہم نے......''

''ٹھیک ہے......'' ثمر حیات نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''میں صبح آ رہا ہوں، تم پریشان مت ہو۔'' اور پھر پورے تین ماہ بعد اس نے لاہور خان ہاؤس میں قدم رکھا تھا۔ بسمل خان سے سودا کرنے اور مال آگے پہنچانے کے بعد اس نے بیگم عبدالغفور سے ملاقات کی تھی اور شاہجہان بیگم کی طرف جانے کا ارادہ کیا تھا کہ وہ خود ہی آ گئی۔ پریشان حال سی وہ بار بار برقع کے بٹن بند کرتی اور کھولتی تھی۔

''دادا آپ کہاں چلے گئے تھے؟'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''بہت مشکل میں ہیں ہم...... بدمعاش سے جان چھوٹی تو شریف آدمی گلے پڑ گیا۔''
اس نے سوالیہ نظروں سے شاہجہان کو دیکھا تھا۔
''کسی جاگیردار کا بیٹا ہے...... اور اس کا باپ صرف جاگیردار ہی نہیں سیاست دان بھی ہے...... ہماری مدد کرو دادا، ہم تباہ ہو جائیں گے۔''
شاہجہان ہاتھ جوڑنے لگی۔
''کیا کر رہی ہیں آپ ایسا مت کریں۔'' بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔
''کوئل مرگئی حیاتی دادا...... ان ظالموں نے اسے مار ڈالا۔''
شاہجہان رونے لگی تھی۔
''کوئل......!'' اس کے کانوں میں کوئل کی آواز گونجنے لگی۔ رنج اور غصے سے اس نے مٹھیاں بھینچیں۔
''وہ اسے گانا سننے کے لیے لے گئے تھے زبردستی...... اور پھر دو دن بعد اس کی لاش نوگزے کی قبر کے پاس پڑی ملی۔ رات کی تاریکی میں وہاں پھینک گئے تھے۔''
''کون ہے وہ؟'' ثمر حیات نے بہ مشکل اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔
''اس کا ملازم اسے مٹھا سائیں کہتے ہیں۔''
''پاپا......'' عظام نے اندر قدم رکھا تو ثمر حیات نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھیں لو دے رہی تھیں۔
اس نے اس کی دمکتی آنکھوں کو دیکھا۔ یقیناً آنے والا فون اسی لڑکی کا ہوگا اور عظام کو اسی کے متعلق بات کرنا ہوگی لیکن وہ ابھی، ابھی ماضی کے سفر سے لوٹا تھا۔ ریحان کی موت کا دکھ اتنے سالوں بعد جیسے تازہ ہو گیا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار دو سالہ ریحان آ رہا تھا۔ اس کے ننھے ہاتھوں کا لمس جیسے اس کے چہرے پر زندہ ہو گیا تھا...... وہ اس کی گود میں تھا جب اس نے آخری سانسیں لی تھیں۔
''پ...... پا......'' ننھے لبوں سے نکلا تھا۔
اس نے لمحے بھر کو آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا اور ہاتھ بلند کر کے اس کے رخساروں کو چھوا تھا پھر اس کے ہاتھ نیچے گر گئے تھے اور وہ خوب صورت آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔
''بیٹا میں اس وقت بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں، انشاء اللہ صبح ہم طے کرلیں گے کہ کب جانا ہے بجل کے گھر...... اور بے فکر رہو...... مسز شاہجہان انکار نہیں کریں گی۔ کیونکہ میرا بیٹا ہے ہی اتنا خوب صورت اور اچھا۔''
اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔
''ٹھیک ہے پاپا......!'' اس نے ثمر حیات کے تھکے ہوئے چہرے پر نظر ڈالی اور خدا حافظ کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں
جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے
جیسے سورج کی کرن سیپ کے دل میں اترے
جیسے خوشبو کو ہوا رنگ سے ہٹ کر چاہے
جیسے بارش کی دعا آبلہ پا مانگتے ہیں

وسعتِ دید نے تجھ سے تیری خواہش کی ہے
میری سوچوں میں بھی تو دیکھ سراپا اپنا
میں نے دنیا سے الگ تیری پرستش کی ہے

رواحہ کی بھیجی گئی محسن نقوی کی اس نظم کو پڑھتے ہوئے ارتقاع کے لبوں پر ایک بڑی دلکش سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ آج سنڈے تھا۔ اور ناشتے کے بعد وہ لاؤنج میں ہی بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی تھی۔ کسی ٹاک شو کا ریپیٹ پروگرام چل رہا تھا۔ اسے اس ٹاک شو کا میزبان بہت پسند تھا۔ اس کا لب ولہجہ، اس کی نالج سب ہی متاثر کُن تھے۔ عموماً وہ نشر مکرر میں ہی یہ پروگرام دیکھا کرتی تھی۔ وہ بہت دلچسپی سے پروگرام دیکھ رہی تھی جب میسج ٹون ہوئی تھی اس نے فون اٹھا کر دیکھا، رواحہ کا نام اسکرین پر چمک رہا تھا اور اس کی بھیجی ہوئی نظم نے اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑائی تھی۔ فون ہاتھ میں پکڑے وہ ایک بار پھر نظم پڑھنے لگی تھی۔

''میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں......

یہ رواحہ بھی ناں......'' اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''مجھے ہرگز علم نہیں تھا کہ اسے شاعری سے بھی دلچسپی ہے۔'' اس واقعے کے بعد ان کے درمیان دوستی کا بہت گہرا اور مضبوط رشتہ ہوگیا تھا۔ یونیورسٹی میں اکثر فری پیریڈ میں وہ اکٹھے کہیں نہ کہیں بیٹھے نظر آتے۔ اکثر عظام بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ رواحہ سے متاثر ہوتی جا رہی تھی اور بہت نامحسوس طور پر وہ اس کے حواسوں پر چھاتا جا رہا تھا۔ اس کی سوچوں اور تنہائیوں میں دخیل ہوگیا تھا۔ اس کے شب و روز پر حاکم ہوگیا تھا اور اس کے سارے بھاگتے دوڑتے لمحوں کو اس نے جیسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا دل کب رواحہ کا تمنائی ہوا۔ کب اس میں رواحہ کی محبت نے سر اٹھایا اور کب اسے اس کی محبت کی طلب ہونے لگی

تھی...... لیکن رواحہ کے دل میں کیا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ اس نے کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے اسے اندازہ ہوتا کہ وہ اس کے لیے اپنے دل میں کیا جذبات رکھتا ہے...... کئی بار اسے گمان تو ہوا تھا کہ رواحہ کے دل میں بھی اس کے لیے کچھ خاص جذبہ ہے لیکن وہ پُریقین نہیں تھی...... اور اپنی یک طرفہ محبت کا خیال اکثر اسے پریشان کر دیتا...... وہ اپنی محبت کا رازداں کس کو بنائے...؟ کس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دے......؟ عالیہ پتا نہیں کیوں اس سے دور ہوگئی تھی...... وہ بہت کم یونیورسٹی آتی اور آتی بھی تو اس سے دور دور اور اُکھڑی اُکھڑی رہتی اور عالیہ کے علاوہ کسی اور سے اس کی اتنی گہری دوستی نہ تھی کہ دل کے ساتھ ہونے والی اس واردات کا بھید اسے دیتی۔ سو وہ محبت کے اس نئے 'نئے احساس سے ہراساں اور پریشان سی رہنے لگی تھی۔ اسے اپنے دل پر اختیار نہیں رہا تھا۔ رواحہ کے تصور سے ہی دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتیں۔ چند ماہ بعد فائنل ایگزام کے بعد سب بچھڑ جائیں گے پھر شاید وہ کبھی رواحہ سے نہ مل سکے اسے نہ دیکھ سکے۔ اس خیال سے ہی اس کا دل بند ہونے لگتا تھا۔ اور رواحہ کو تو شاید کبھی خبر بھی نہ ہو کہ اس کے نوخیز دل میں اس کی محبت کیسے اچانک اتر آئی تھی۔

یہ ابھی کل ہی کی تو بات تھی کہ وہ کلاس چھوڑ کر لان میں آ کر بیٹھ گئی تھی...... اور گھاس کے تنکے نوچ نوچ کر پھینک رہی تھی...... ذہن میں سیکڑوں خیالات آ رہے تھے۔ وہ تو محبت کا مذاق اڑاتی تھی۔ جب کبھی عالیہ محبت کا ذکر کرتی وہ اسے حماقت اور بے وقوفی کہتی لیکن اب خود اس کا دل اس حماقت میں مبتلا ہو گیا تھا اور وہ بھی یک طرفہ...... عالیہ ہوتی تو آج وہ ضرور اس کے سامنے اعتراف کر لیتی کہ وہ بھی کسی کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے لیکن آج بھی وہ نہیں آئی تھی...... وہ اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی جب بہت آہستگی سے آ کر رواحہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''رتی کیا ہوا کیا تم کچھ پریشان ہو......؟ تم فوراً کلاس سے نکل آئیں، میں تمہارے پیچھے آنا چاہ رہا تھا لیکن پھر سر آ گئے تو نہیں آ سکا۔''

''بس یونہی پڑھنے کا موڈ نہیں تھا۔''

''نہیں رتی تم کچھ پریشان لگ رہی ہو...... گھر میں تو سب ٹھیک ہے ناں......'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

رواحہ نے اس کی پریشانی کو محسوس کیا...... اس احساس نے اس کے اندر پھول کھلائے تھے۔

''یونہی بس وہ ممتاز حیدر جو جدائی کی نظم سنا رہا تھا اس سے دل اداس ہو گیا۔ چند ماہ کی بات ہے پھر سب بچھڑ جائیں گے۔ کوئی پتا نہیں کسی کو کوئی یاد بھی کرے گا یا نہیں۔''

''کم از کم میرے متعلق تم ایسا نہیں کہہ سکتیں رتی...... میں کبھی کسی کو نہیں بھول سکتا اور تمہیں تو بالکل بھی نہیں...... لیکن تم...... ہو سکتا ہے میں تمہیں یاد بھی نہیں رہوں، لڑکیاں شادی کے بعد اپنے گھر اور بچوں میں کھو کر سب کچھ بھول جاتی ہیں۔''

رواحہ شاید اسے کھوجنا چاہ رہا تھا کیونکہ اس کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

''ناممکن......'' اس کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں۔

''میں......؟ مجھے سب یاد رہیں گے۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا رتی کہ ہمیں ایک دوسرے کو یاد نہ کرنا پڑے اور ہم ہمیشہ اکٹھے رہیں ایک ساتھ؟''

آج اس نے وہ بات کہہ دی تھی جسے سننے کو اس کے کان کب سے منتظر تھے۔ اس کی سماعتوں میں جیسے کسی نے رس گھول دیا تھا۔ اندر ایک ساتھ بہت سارے چراغ جل اٹھے تھے۔

''کیا ایسا ممکن ہے رواحہ......؟'' اس نے بے تحاشا دھڑکتے دل سے پوچھا تھا۔

''ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہے رتی...... اگر تم بھی چاہو تو......''

''میں بھلا کیوں نہ چاہوں گی؟''بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا اور پھر اس کی پلکیں جھلک گئی تھیں۔ رخساروں پر جیسے آگ سی دہک اٹھی تھی۔ اسے لگا تھا جیسے رواحہ بے حد دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی نظروں کی حدت سے اس کا دل پگھلا جا رہا تھا۔

''رتی......''اس کی آواز جذبات سے مغلوب تھی۔

''کیا میرے کانوں نے صحیح سنا......؟ کیا واقعی تم بھی ایسا ہی چاہتی ہو؟''اور اس نے نگاہیں جھکائے جھکائے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''تھینک یو رتی......تھینک یو۔''اس نے رواحہ کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھے تھے لیکن اس کے لہجے سے چھلکتی خوشی کو محسوس کر رہی تھی......یعنی اس کی محبت یک طرفہ نہیں تھی اگر اس کا دل رواحہ کا اسیر ہوا تھا تو رواحہ بھی اس کے لیے اپنے دل میں ایسے ہی جذبے محسوس کرتا تھا۔

''بہت دنوں سے میں سوچ رہا تھا کہ میں تمہیں بتاؤں کہ تم میرے لیے کیا ہو......اور یہ کہ میں بری طرح تمہاری محبت میں گرفتار ہو چکا ہوں اور اب اس محبت کے جال سے نکلنا میرے لیے ممکن نہیں......میں بے بس ہو چکا ہوں......اور یہ ابھی کی بات نہیں، بہت پہلے کی بات ہے جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تب ہی تم نے میرے دل میں اپنی مسند سنبھال لی تھی۔ میں کبھی ایک نظر کی محبت کا قائل نہیں رہا......لیکن یقین کرو رتی، میں پہلی نظر میں ہی تمہارا گھائل ہو گیا تھا اور جب جب تمہیں دیکھا دل نے ہمیشہ تمہاری رفاقت کی چاہ کی۔''دھیمے دھیمے لہجے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے رواحہ کا ہر لفظ اس کے دل پر نقش ہوتا چلا گیا۔

''پتا ہے''وہ ہولے سے ہنسا۔

''میں ہر روز جب گھر سے نکلتا تھا تو یہ عہد کر کے نکلتا تھا کہ آج میں تم سے ضرور حالِ دل کہوں گا اور تم سے تمہاری عمر بھر کی رفاقت کی چاہ کروں گا لیکن ہر روز ہمت ہار دیتا......تمہاری ناراضی کا خیال مجھے روک دیتا......حالانکہ میرے بابا چاہتے تھے کہ میں جلد تم سے بات کروں......پتا نہیں انہیں اتنی بے چینی کیوں ہے؟''

''کیا......؟ کیا تم نے اپنے بابا سے بات کی میرے متعلق......؟''وہ از حد حیران ہوئی۔

''ہاں......''وہ مسکرایا تھا۔

''میرے بابا میرے بہت اچھے دوست ہیں۔''اپنے بابا کے ذکر سے اس کی آنکھوں میں جگمگاہٹیں سی اتر آئی تھیں۔

''اور وہ اب چاہتے ہیں کہ میں تم سے بات کروں اور تمہاری اجازت ہو تو وہ تمہارے گھر آئیں۔''

''تم نے اتنا سوچ لیا اور مجھے بتایا تک نہیں۔''وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تو......کیا کرتا......تمہاری ناراضی سے ڈر لگتا تھا ناں کہ کہیں تم خفا ہو جاؤ تو چند لمحوں کی رفاقت سے بھی محروم ہو جاؤں۔''

''تم بہت فضول ہو، تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا ناں کہ تم مجھ سے......''

اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''تو اب بتا تو دیا ہے ناں......''وہ شریر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا بتاؤ اگر پہلے بتا دیتا تو کیا کرتیں؟''اور وہ اسے یہ نہیں کہہ سکی تھی کہ اگر پہلے بتا دیتے تو میں اتنی پریشان نہ ہوتی۔

''تو بابا کو بھیج دوں؟''اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں ابھی نہیں......پہلے میں اپنے پاپا کو بتا دوں تمہارے متعلق پھر......''

''تمہارے پاپا......''اس کی خوب صورت آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے فکر کا سایہ سا لہرایا تھا۔

''تمہارے پاپا ایک بزنس مین ہیں اور میرے بابا پروفیسر گو کسی چیز کی کمی نہیں لیکن شاید تمہارے پاپا جتنی دولت نہ ہو ہمارے پاس تو کیا وہ پھر بھی......؟''

''میرے پاپا مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی چیز سے مجھے منع نہیں کیا...... اور انہوں نے ایک بار خود کہا تھا مجھے کہ وہ میری پسند کو ہر حال میں ترجیح دیں گے۔ ہاں ہوسکتا ہے ماما کو کچھ اعتراض ہو...... لیکن بہر حال فیصلہ تو پاپا کا ہی مانا جائے گا۔''

اور وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

''اوکے...... تم پاپا سے بات کر کے بتانا...... میرے بابا کو بہت جلدی ہے۔'' وہ ہنسا تھا۔

''بھلا کتنی جلدی؟'' وہ بھی ہنسی۔

''ابھی تو ہمارے ایگزام ہونے ہیں۔''

''تو ایگزام کے بعد ہی سہرا باندھ لیں گے۔'' وہ شوخ ہو رہا تھا۔

''بس تمہیں اپنے نام کرلیں۔ تم آج ہی اپنے پاپا سے بات کرنا۔''

اس نے تاکید کی تھی لیکن پاپا کل رات ہی لاہور سے آئے تھے اور آج ناشتا بھی انہوں نے اپنے کمرے میں کیا تھا۔ یوں بھی اس کا آج بات کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا پھر کسی روز مناسب موقع دیکھ کر بات کرے گی بلکہ پہلے کسی بہانے پاپا کو رواحہ سے ملوا دے گی...... رواحہ نے محبت کا اظہار کیا کر دیا تھا کہ کل سے اب تک وہ ڈھیروں میسجز کر چکا تھا۔

اس نے ایک بار پھر نظم پڑھنی شروع کی ہی تھی کہ افنان نے پیچھے سے آ کر اس کا فون پکڑ لے۔

''ایسا کیا لطیفہ سینڈ کیا ہے کسی نے کہ جنابہ کے ہونٹوں سے مسکراہٹ ہی نہیں جدا ہو رہی۔''

''نہیں وہ لطیفہ تو نہیں۔''

وہ ذرا سا گھبرائی۔

''عالیہ نے ایک نظم بھیجی ہے۔'' اس نے فون لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا لیکن افنان نے ہاتھ ذرا سا بلند کرتے ہوئے پڑھا۔

''میں نے اس طور سے چاہا تجھے اکثر جاناں......

جیسے مہتاب کو بے انت سمندر چاہے......

واؤ...... یہ عالیہ کو شاعری سے کب شغف ہوا۔؟'' اور شوکیس میں رکھے کرسٹل کے ڈیکوریشن پیسز نازو سے صاف کرواتی ایمل نے چونک کر ارتفاع کی طرف دیکھا...... اور اس کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر سی گئیں۔

''اسے نہیں ہے شغف شاعری سے، کسی فرینڈ نے بھیجی ہو گی تو اس نے مجھے بھیج دی۔''

ارتفاع کو بروقت بات سوجھ گئی تھی۔

''اچھا مجھے دو فون......'' اس نے پھر ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

''پڑھنے تو دو کتنی خوب صورت نظم ہے، بھیجنے والی بڑی رومینٹک ہے۔'' اس نے ہاتھ پیچھے کیا لیکن ارتفاع نے ہاتھ بڑھا کر اس سے فون لے لیا...... تب ہی ڈور بیل ہوئی۔

''وہ میرا دوست آ گیا ہے...... میں چلتا ہوں لیکن رتی اسے ڈیلیٹ مت کرنا میں آ کر پڑھوں گا۔ بہت خوب صورت نظم ہے۔''

ارتفاع نے سر ہلایا تو وہ ایمل کی طرف مڑا۔

''او کے ماما! میں جنید کے ساتھ جا رہا ہوں، جلدی آ جاؤں گا۔''
ایمل نے سر ہلایا تھا اس کی نظریں اب بھی ارتقاع پر تھیں جس نے فون ہاتھ میں لیتے ہی رواحہ کا میسج بہت تیزی سے ڈیلیٹ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ افنان، رواحہ کا نام دیکھے۔ تب ہی پھر سے میسج ٹون ہوئی اس نے دیکھا رواحہ نے پھر شعر بھیجا تھا۔

''دل یہ کہتا ہے کہ شاید ہو فسردہ تو بھی
دل کی کیا بات کریں دل تو ہے ناداں جاناں''

اور ساتھ ہی افسردگی ظاہر کرتا کارٹون۔ فوراً ہی ایک اور میسج آ گیا۔
''اب تو ایک دن گزارنا بھی مشکل ہے...... کیا بابا کو آج ہی بھیج دوں......؟'' اس کے ہونٹوں پر حیا آلودسی مسکراہٹ جمی تھی اور آنکھیں دمکنے لگی تھیں اور ارتقاع کی طرف دیکھتی ایمل کو جانے کیا ادراک ہوا کہ اس نے ہاتھ میں پکڑا کرسٹل کا گلدان نازو کو پکڑایا اور خود وہاں ہی صوفے پر بیٹھ گئی لیکن اس کی نظریں ارتقاع کے چہرے پر ہی تھیں۔ جہاں رنگ بکھرے ہوئے تھے، یہ رنگ اسے چونکا رہے تھے۔ ارتقاع کی انگلیاں تیزی سے موبائل فون سیٹ پر حرکت کر رہی تھیں۔ وہ رواحہ کو میسج ٹائپ کر رہی تھی۔ ارتقاع تو ہمیشہ اس سے خفا خفا اور ناراض ناراض سی رہتی تھی لیکن پچھلے کئی دنوں سے وہ کچھ بدلی بدلی لگ رہی تھی لیکن ایمل نے آج سے پہلے غور نہیں کیا تھا... وہ بہت خوش لگتی تھی اور خوشی کے یہ رنگ جو اس کے ہونٹوں پر کھلے ہوئے تھے اور آنکھوں میں دمک رہے تھے یہ رنگ تو......
''وہ کیوں اتنی خوش تھی آخر ایسا کیا مل گیا ہے اسے؟'' وہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن جھجک گئی اس کے اور ارتقاع کے درمیان کبھی اتنی دوستی نہیں رہی تھی کہ ارتقاع اس سے اپنی ہر بات شیئر کرتی...... وہ اس سے کبھی اتنی بے تکلف نہیں تھی۔ یک دم یہ احساس بڑی شدت سے اس کے اندر پیدا ہوا کہ اس کے اور اس کی بیٹی کے درمیان بہت فاصلے ہیں اتنے کہ چند ماہ پہلے وہ اسے اپنی سوتیلی ماں سمجھ رہی تھی۔ اور کیا پتا اب بھی اس کے دل میں ایسا ہی کچھ خیال ہو...... ایک احساسِ زیاں یک دم ہی اس کے اندر پیدا ہوا۔ اسے ارتقاع کو خود سے دور نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اسے یاد آیا کہ ممی نے ایک بار کہا تھا۔ ''ماؤں کو اپنی بیٹیوں کا دوست ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے دل کی ہر بات اپنی ماؤں سے کر سکیں۔'' لیکن وہ تو کبھی اس کے اتنے قریب نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے دل کی ہر بات باپ سے ہی کرتی تھی لیکن بہت سی ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو بیٹیاں اپنے باپوں سے نہیں کر سکتیں...... اس نے ارتقاع کو خود سے دور رکھ کر بڑی غلطی کی تھی۔ وہ بہت چھوٹی تھی جب افنان پیدا ہوا۔ وہ اتنی جلدی دوسرا بچہ نہیں چاہتی تھی لیکن افنان کو دنیا میں آنا تھا سو آ گیا تھا اور پھر افنان تھا بھی بہت کمزور...... وہ اسی کی وجہ سے ارتقاع کو توجہ نہ دے پاتی تھی۔
جس کے نتیجے میں ارتقاع چڑچڑی ہوتی چلی گئی تھی۔ ایسے میں بابر نے ارتقاع کو سنبھال لیا تھا اور وہ اس کے لیے بابر کی ممنون تھی اور یہ ممنونیت آج بھی اس کے دل میں موجود تھی...... اور پھر جب افنان کچھ بڑا ہو گیا تھا...... تب بھی ارتقاع، بابر کے ساتھ ہی اٹیچڈ رہی...... یہاں اس سے غلطی ہوئی تھی اسے ارتقاع کو اس کے حال پر چھوڑنے کے بجائے اس پر توجہ دینی چاہیے تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا تھا اور ارتقاع خود سر ہو گئی تھی۔ وہ اپنی من مانی کرتی تھی اور اس کی باتیں اگنور کر دیتی تھی۔ کاش اس کے اور ارتقاع کے درمیان بے تکلفی ہوتی تو اسے آج اس سے بات کرتے ہوئے اتنی جھجک نہ ہوتی۔ اس نے پھر ارتقاع کی طرف دیکھا...... اس کے چہرے پر اور آنکھوں میں بلا کی نرماہٹ اور ملائمت تھی۔
''یہ نرماہٹ اور ملائمت تو محبت کی عطا ہوتی ہے۔ تو کیا ارتقاع کسی سے......؟ نہیں۔'' اس نے خود ہی اپنے خیال کی تردید کی۔

''نہیں...... یہ تو بہت معصوم اور سادہ ہے......'' ہر ماں کی طرح وہ بھی اپنی بیٹی کے لیے ایسی ہی رائے رکھتی تھی اور پھر اسے بھلا انسانوں کی کیا پہچان...... یہ دنیا تو دھوکے باز اور فریبی لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کے اندر کسی اذیت ناک یاد نے چٹکی بھری......

''مجھے اس سے بات کرنی چاہیے......اسے سمجھانا چاہیے کہیں میری طرح یہ بھی محبت کے دھوکے میں نہ آجائے...... مجھے اس سے پوچھنا چاہیے......لیکن میں کیا پوچھوں گی......'' وہ یک دم ہی بہت مضطرب اور بے چین نظر آنے لگی...... ''کیا بابر سے بات کروں......؟ لیکن نہیں۔'' ان دنوں بابر کا بی ہیویر بھی کچھ عجیب سا ہو رہا تھا۔

رواحہ نے پھر میسج کیا تھا۔

''میں عظمی کی طرف جا رہا ہوں، واپس آ کر بات کروں گا۔''

''اوکے......'' اس نے ریپلائی کیا اور فون وہیں صوفے پر رکھ کر پاس پڑا ریموٹ اٹھا کر آواز قدرے بلند کی اور تب ہی ایمل کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے اس نے ایمل کی طرف دیکھا۔

''کیا ہوا ماما آپ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں مجھے؟''

''کچھ نہیں......'' ایمل چونکی۔

''میں سوچ رہی تھی کہ بیٹیاں کتنی پیاری ہوتی ہیں، لیکن ایک دن بابل کا گھر سُونا کر جاتی ہیں۔ ایک دن میری پیاری بیٹی بھی ہمارا آنگن سُونا کر جائے گی۔'' اس کی آواز میں نمی تھی...... ارتقاع کا دل جیسے یک دم پگھلا تھا...... ایک روز اسے بھی اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا...... اپنا گھر، اپنا کمرا، پاپا، افنان سب کو چھوڑ کر وہ پیا دیس چلی جائے گی۔ سب کچھ پرایا ہو جائے گا......لیکن اس کے ساتھ کچھ انوکھا نہیں ہوگا۔ سب لڑکیوں کو ایک روز بابل کا گھر چھوڑنا پڑتا ہے۔ ہاں انوکھا اور خوب صورت رواحہ کا ساتھ ہوگا۔ رواحہ کتنا شاندار ہے، کتنا لونگ...... اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دمکی اور آنکھیں لودے اٹھیں۔ اس نے انہی دمکتی آنکھوں سے ایمل کی طرف دیکھا۔

''لیکن آپ تو لکی ہیں ماما، آپ تو بابل کے گھر سے رخصت ہو کر بابل کے گھر میں ہی رہی تھیں۔''

''نہیں تو......'' ایمل اس کی مسکراہٹ میں کھو گئی تھی...... وہی مدثر جیسی مسکراہٹ......

''میں رخصت ہو کر تمہارے پاپا کے گھر گئی تھی۔'' مدثر اور بابا نے اس کا کتنا شاندار استقبال کیا تھا۔ پورا گھر پھولوں سے سجا دیا تھا...... تازہ گلابوں کی خوشبو سے پورا گھر مہک رہا تھا...... اور مونا نے اس کے گاڑی سے اترتے ہی ٹیپ چلا دی تھی۔ ''بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے۔''

''لیکن...... پاپا تو نانو کے گھر میں ہی رہتے تھے۔'' ارتقاع کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

''ہاں......'' وہ چونکی۔

''لیکن وہ پہلے میں رخصت ہو کر تمہارے دادا ابو کے گھر گئی تھی۔''

''ہاں، وہ تو چند دن کے لیے گئی ہوں گی پھر تو واپس آ گئی ہوں گی۔''

''ہاں پھر واپس آ گئی تھی۔'' اندر جیسے کسی پرانے زخم سے کھرنڈ اتر گیا تھا۔ بہت جلن اور دکھن ہو رہی تھی۔ ''کاش وہ واپس نہ آتی...... کاش وہ ہمیشہ وہاں ہی رہتی...... محبتوں کے سائے تلے...... مدثر ایسا نہ ہوتا...... بے وفا، دھوکے باز......'' زخموں سے جیسے خون رِسنے لگا تھا۔

''پاپا تو آپ کے کزن تھے ناں اور نانو نے انہیں بیٹا بنا رکھا تھا تو کیا آپ شادی سے پہلے انہیں پسند کرتی تھیں۔ پہلے سے آپ کی شادی ان سے طے تھی یا پھر اچانک طے ہوئی تھی؟''

وہ ارتقاع کے اس سوال پر حیران ہو کر اسے تکنے لگی۔ ارتقاع سے اس کی ایسی بے تکلفی تو کبھی نہ تھی کہ وہ اس

سے اس طرح کا سوال کرتی...... اور یہ آج کیسی باتیں کررہی ہے۔ اس نے تو ایسی باتیں کبھی نہیں کی تھیں بلکہ اس نے تو کبھی اس سے کوئی فالتو بات کی ہی نہیں تھی۔

''بتائیں ناں ماما! کیا آپ پاپا کو پہلے سے ہی پسند کرتی تھیں؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت سی کوندی تھی۔

ایک بار اس نے بھی ممی سے ایسا ہی سوال کیا تھا اور یہ تب کی بات تھی جب پہلے پہل اس کے دل میں مدثر کی محبت کا احساس جاگا تھا تو کیا ارتفاع...... اس نے ہراساں ہوکر ارتفاع کی طرف دیکھا۔

''چلیں، آپ بتانا نہیں چاہتیں تو نہ سہی۔'' اس نے ہولے سے سر جھٹکا اور آنکھوں میں کوندتی شرارت ہونٹوں کی مسکراہٹ سے بھی جھلکنے لگی۔

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''شادی سے پہلے میں نے تمہارے پاپا کے متعلق اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا...... بس حادثاتی طور پر......''

اس نے یک دم بات ادھوری چھوڑ دی...... اگر اس نے مدثر سے محبت نہ کی ہوتی اگر وہ اسے دھوکا نہ دیتا...... بے وفائی نہ کرتا تو شاید وہ کبھی بابر سے شادی نہ کرتی...... اس نے کبھی بابر کو پسند نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ اسے ناپسند کرتی تھی...... حالانکہ اسے ناپسند کرنے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہیں تھی بس وہ بغیر کسی وجہ کے اسے ناپسند کرتی تھی...... لیکن وہ اذیت ناک رات جس نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ ساری ترجیحات بدل گئیں۔ پسند، ناپسند، سوچ، فکر...... اس رات کی اذیت نے اس کی آنکھوں میں دھند سی بھر دی اور دل کٹنے لگا جیسے برسوں پرانی اذیت دل میں پھر سے کچوکے لگا رہی ہو...... اس نے ارتفاع کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور سر جھکا کر اس اذیت کو برداشت کرنے کی کوشش کرنے لگی...... اس رات مدثر کو فون کرنے کے بعد وہ بے دم سی ہوکر بیڈ پر ڈھے گئی تھی...... اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ چیخیں مار مار کر روئے...... دیواروں سے سر پٹخے...... تکلیف، درد اور اذیت سے اس کا وجود چور چور ہو رہا تھا...... مدثر نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا...... بلکہ خود اس نے اپنے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا مدثر جیسے شخص سے محبت کرکے...... بے وفا، دھوکے باز شخص سے محبت کرکے اسے چاہ کر...... اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ رہی ہوں اور اندر جیسے کوئی چھریاں چلا رہا تھا، اذیت سی اذیت تھی...... جانے کب تک وہ اذیت برداشت کرتی رہی تھی...... لیکن پھر جیسے سب کچھ ناقابلِ برداشت ہوگیا تھا...... وہ ہمت ہارنے لگی تھی۔ اس نے بیڈ سائڈ ٹیبل پر پڑا فون اٹھایا تھا اور ڈیڈی کے فون کا نمبر ملایا تھا۔

''ڈیڈی پلیز ممی سے بات کروادیں۔'' اس نے بہ مشکل خود کو سنبھالتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا خیریت ہے؟'' ممی پوچھ رہی تھیں......

''ممی کی آواز سنتے ہی اس کی ہمت جواب دے گئی تھی۔

''ممی...... میں مر رہی ہوں...... بہت تکلیف میں ہوں...... بہت اذیت ہو رہی ہے آپ ابھی واپس آجائیں پلیز......''

''کیا ہوا...... میری جان...... کیا ہوگیا؟'' ممی گھبراہٹ سے بار بار ایک ہی بات دُہرا رہی تھیں۔

''ممی، مجھے لگ رہا ہے جیسے کوئی مجھے کند چھری سے ذبح کررہا ہو...... میرے پورے وجود میں درد کی تیز لہریں اٹھ رہی ہیں اور میرا سر...... ممی میرا سر پھٹ جائے گا۔'' وہ رونے لگی تھی...... اونچی آواز میں......

''حوصلہ کرو...... میری بچی...... بابر کدھر ہے......؟ اسے کہو فوراً تمہیں اسپتال لے جائے...... ہم پہلی دستیاب فلائٹ سے آرہے ہیں...... حوصلہ کرو جانو اللہ سے دعا کرو......''

''بابر بھائی تو خالہ سے ملنے چلے گئے تھے۔'' اس نے بہ مشکل کہا تھا۔

''نہیں...... وہ آگیا ہوگا...... اسے پتا تھا کہ ہم گھر پر نہیں ہیں تو اس نے رات تک آجانا تھا۔تم ماسی کو بھی ساتھ ہی لے جاتا۔''

''اچھا......!'' وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر اٹھی تھی لیکن پھر جیسے زمین آسمان گھوم گئے تھے۔اس نے گرتے ہوئے بیڈ کی پٹی پکڑنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لہرا کر گر گئی تھی۔ ہوش کھونے سے پہلے اس نے فون کی گھنٹی کی آواز سنی تھی جو مسلسل بج رہی تھی۔ پھر اسے پتا نہیں چلا تھا کہ کب بابر اس کے بیڈ روم میں آیا تھا اور کب ماسی اور چھوٹی ملازم لڑکی کی مدد سے اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر اسپتال لایا تھا...... اسے جب لیبر روم میں لے جایا جارہا تھا تب لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور اسٹریچر کے ساتھ، ساتھ چلتے بابر کو دیکھ کر اذیت کی ایک تیز لہر اس کے اندر اٹھی تھی...... ''یہاں تو مدثر کو ہونا تھا'' اس کا دل جیسے پاتال میں گر رہا تھا...... نیچے ہی نیچے اور اس کی آنکھیں پھر بند ہوگئی تھیں...... پھر کیا ہوا تھا اسے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ وہ جیسے گہری غنودگی میں اپنے اردگرد باتوں کی بھنبھناہٹ محسوس کررہی تھی۔ لیکن باوجود کوشش کے وہ آنکھیں نہیں کھول پارہی تھی جیسے اس کے پپوٹوں پر کوئی بھاری بوجھ آپڑا ہو...... اور پھر ہولے ہولے یہ مدھم آوازیں بھی معدوم ہوگئی تھیں پھر جب اس کی آنکھ کھلی تھی تو وہ روم میں تھی اور ممی اس کے بیڈ کے پاس بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے اسے کچھ یاد نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے اور اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

''ممی......!'' اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں...... نہیں مت اٹھو......''

ممی نے اپنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ کر اسے روکا تھا...... اور تب ہی اسے یاد آگیا تھا کہ اس کی طبیعت خراب تھی اس نے ممی کو فون کیا تھا اور ممی کو پاس بیٹھے دیکھ کر اس نے بے حد طمانیت محسوس کرتے ہوئے آنکھیں بند کرلی تھیں۔ ممی آگئی تھیں اور وہ زندہ تھی لیکن آنکھیں بند کرتے ہی اسے یکایک اپنے اندر کسی خالی پن کا احساس ہوا۔

''ممی......'' اس نے گھبرا کر پھر آنکھیں کھول دیں۔

''ممی میرے بچے۔''

''مبارک ہو اللہ نے تمہیں بیک وقت اپنی نعمت اور رحمت سے نوازا ہے۔''

اس نے متلاشی نظروں سے کمرے میں دیکھا...... کمرے میں کوئی کاٹ وغیرہ نہیں تھا...... ممی نے اس کی نظروں کا مطلب سمجھ لیا تھا۔

''وہ فی الحال نرسری میں ہیں، شام تک آجائیں گے تمہارے پاس......''

''ممی میں اپنے بچوں کو دیکھنا چاہتی ہوں۔'' اس کا دل انہیں دیکھنے کو مچلنے لگا تھا۔ابھی سسٹر آتی ہے تو میں بات کرتی ہوں سسٹر سے...... اچانک ہی تمہارا بی پی بہت شوٹ کرگیا تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھی کہ شاید تم نے کچھ زیادہ ٹینشن لی ہے۔ تمہاری اور بچوں، دونوں کی زندگیوں کو خطرہ تھا سو فوری آپریٹ کرنا پڑا۔ بابر نے فون پر ہم سے بات کرکے ہماری اجازت سے آپریشن کے اجازت نامے پر دستخط کیے تھے۔ میں تو اس خیال سے تمہارے ڈیڈی کے ساتھ چلی گئی تھی کہ ڈاکٹر نے پندرہ دن بعد کی ڈیٹ دی تھی۔''

ممی نے اسے تفصیل بتائی تھی۔

''صبح تو تم بالکل ٹھیک تھیں بیٹا پھر ایسا اچانک کیا ہوگیا تھا......؟ کیا مدثر نے کچھ کہا......؟ اس سے بات ہوئی تمہاری......؟ تمہارے ڈیڈی نے یہاں پہنچتے ہی اسے فون کیا تین چار بار لیکن کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا تو وہ لوگ گھر پر نہیں ہیں یا پھر فون خراب ہے۔'' اس نے ممی کی پوری بات جیسے سنی ہی نہیں تھی...... اس کے اندر جیسے درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

''ہاں بیٹا تم نے بتایا نہیں کیا ہوا تھا اچانک...... اب تو ٹینشن والی کوئی بات نہیں تھی...... تم نے ایک اچھا فیصلہ کیا تھا...... تمہاری طرف سے اطمینان ہو جائے تو تمہارے ڈیڈی خود جا کر مدثر کو بتا آئیں گے۔''

''نہیں...... میرا فیصلہ غلط تھا ممی...... بالکل غلط......'' وہ رونے لگی تھی۔

''مجھے مدثر کے ساتھ نہیں رہنا...... ہرگز نہیں...... مجھے طلاق چاہیے...... طلاق......'' وہ چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ ممی گھبرا کر اسے تسلی دینے لگی تھیں لیکن اس کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

''ایما...... ایما میری جان...... میری زندگی جو تم کہو گی جیسا تم چاہو گی ہم ویسا ہی کریں گے۔''

ممی اسے تسلی دے رہی تھیں...... لیکن اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے اور جسم بے جان ہو رہا تھا...... پھر اگلے دو دن اس کی حالت بہت خراب رہی اور اسے آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ وہ ذرا دیر کے لیے آنکھیں کھولتی اور پھر غنودگی میں چلی جاتی۔ چار دن بعد اسے کمرے میں منتقل کیا گیا تو اس نے بچوں کو دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ ممی، بیٹی کو اس کے پاس لائی تھیں...... اسے گود میں لیتے ہوئے جیسے اس کا دل بھر آیا تھا۔ کانوں میں مدثر کی آواز گونجنے لگی تھی۔

''جس روز ہمارے شہزادوں نے دنیا میں قدم رکھا اور اس روز تم دیکھنا میں اسپتال میں بھنگڑا ڈالوں گا...... بھلے اسپتال والے مجھے پاگل سمجھیں...... اور پورے اسپتال میں مٹھائی تقسیم کروں گا......'' اس کی آنکھوں کے کونوں سے آنسوؤں کی لکیریں سی بہنے لگیں۔

''میرا بیٹا، ممی اسے بھی تو لائیں۔''

ہاتھوں کی پشت سے اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے ممی سے کہا تھا۔

''وہ...... دراصل ابھی ٹھیک نہیں ہے اسے انکیوبیٹر میں رکھا گیا ہے۔'' ممی نے نظریں چرائی تھیں۔

''مجھے وہاں لے جائیں پلیز...... بس ایک نظر دیکھ لوں۔'' اس روز ممی اسے ٹالتی رہی تھیں لیکن دوسرے روز وہ جیسے بے بس سی ہو گئی تھیں اور انہوں نے پاس بیٹھے بابر سے کہا تھا۔

''تم ہی اسے سہولت سے بتا دو بیٹا۔ میری تو ہمت نہیں ہو رہی۔''

''کیا...... کیا ہوا میرے بیٹے کو؟'' وہ ہراساں سی ہو کر ممی اور بابر کو دیکھنے لگی تھی۔

بابر اس کے پاس بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا تھا اور اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

''میری بات تحمل سے سنو ایما...... اور حوصلے سے اس کو برداشت کرو، تمہارا بیٹا بیمار تھا...... پیدائش کے فوراً بعد ہی ڈاکٹر نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس کے بچنے کے چانسز بہت کم ہیں...... اس کے پھیپھڑوں میں پرابلم تھا...... وہ پیدائش کے وقت رویا بھی نہیں تھا۔''

''نہیں...... وہ رو رہا تھا بابر بھائی۔'' اس نے ضد کی تھی۔

''میرے کانوں میں پہلے ایک بچے کے رونے کی آواز آئی تھی اور پھر چند منٹ کے وقفے سے دوسرے بچے کی۔''

''شاید ایسا ہو لیکن......'' بابر نے اس کی تائید کی تھی۔

''وہ چلا گیا۔ ڈاکٹر اسے بچا نہیں سکے۔ آئی ایم سوری......''

''وہ چلا گیا اور میں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔'' وہ رونے لگی تھی اور بابر اسے ہولے ہولے تھپک رہا تھا۔

''آپ اس کی تصویر ہی بنا لیتے میں دیکھ تو سکتی، وہ جس کے دنیا میں آنے کا ہم کتنی شدت سے انتظار کر رہے تھے وہ کیسا تھا...... اس کی آنکھیں کیسی تھیں...... اس کے ہونٹ...... اس کی ناک......'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''وہ بالکل تمہارے جیسا تھا۔'' بابر نے اسے بتایا تھا۔

''جب تم ٹھیک ہو جاؤ گی تو میں تمہیں اس کی قبر پر لے جاؤں گا۔''

''ممی آپ ہی ڈیڈی سے کہہ کر اس کی تصویر بنوا لیتیں۔'' اس نے روتے، روتے ممی سے گلہ کیا تھا۔

''ہمیں ہوش ہی کب تھا ایسا...... ہمیں تو تمہاری زندگی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ میں تو تمہارے بیڈ کے پاس سے ہلی تک نہیں اور تمہارے ڈیڈی...... صدقے کے بکرے یتیم خانوں میں بھجوا رہے تھے...... مسجدوں میں جا کر تمہاری زندگی کے لیے دعائیں کروا رہے تھے۔ بابر نے ہی بچے کی ڈیڈ باڈی لی اور دفن وغیرہ کروایا...... سچ پوچھو تو میں نے بھی بس ایک نظر ہی اسے دیکھا تھا۔''

نازو نے شوکیس میں رکھے سب پیس صاف کر کے رکھ دیے تو اس کی طرف دیکھا۔

''باجی یہ کام تو ہو گیا ہے اب کیا کرنا ہے۔''

''ہاں......'' اس نے چونک کر نازو کی طرف دیکھا۔

''کچھ نہیں...... تم جاؤ جا کر کچن میں دیکھ لو اور کوئی کام ہے تو......''

اور نازو سے ہوتی ہوئی اس کی نظریں ارتقاع پر واپس پڑیں جو کچھ الجھی الجھی سی بیٹھی تھی۔ اس کا ذہن ابھی تک ایمل کے اس ادھورے جملے میں اٹکا ہوا تھا۔

''حادثاتی طور پر...... کیا ماما اور پاپا کی شادی حادثاتی طور پر ہوئی... ؟ شاید میری مما کی ڈیتھ کے بعد نانو نے ماما سے کہا ہوگا آخر وہ پاپا کو ایک بیٹے کی طرح چاہتی ہیں تو یوں حادثاتی طور پر ماما کی پاپا سے شادی ہو گئی ہوگی ؟'' وہ دل ہی دل میں واقعات کے تانے بانے بن رہی تھی اور آج پھر اس کے اندر وہی شک پیدا ہوا تھا کہ ایمل اس کی سگی ماں نہیں ہے۔ کتنی مشکل سے اس نے افنان کے کہنے پر خود کو یقین دلایا تھا کہ ایمل ہی اس کی سگی ماما ہیں لیکن آج پھر یہ یقین متزلزل ہو رہا تھا...... بے حد مضطرب ہو کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ تب ہی اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے مڑ کر صوفے پر پڑا اپنا سیل اٹھایا۔ ''رواحہ کالنگ......'' اس نے ایک نظر ایمل پر ڈالی اور پھر بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے فون آن کر کے کانوں سے لگایا۔

''رتی...... رتی سنو...... شاید پھر تم مجھے کبھی نہیں سن سکو...... میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، دل اور روح کی گہرائیوں سے۔''

''کیا...... کیا ہوا ہے روی تم اس طرح کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' وہ بے چین ہوئی۔

''میرا بہت خوفناک ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میرا بہت خون بہہ رہا ہے... سر سے بازو سے...... پتا نہیں کہاں کہاں......'' اس کی آواز ڈوب گئی۔

''روی...... رواحہ......'' اس نے بے قراری سے پکارا۔

''سنو...... میرے پاپا سے ضرور ملنا۔'' اس کی آواز پھر ابھری تھی اور وہ رک رک کر بول رہا تھا۔ ''انہیں کہنا میں ان سے بہت محبت کرتا ہوں اور وہ دنیا کے سب سے اچھے پاپا ہیں۔''

''تم...... تم کہاں ہو رواحہ؟ یہ ایکسیڈنٹ کہاں ہوا ہے... ؟ تم تو عظام کی طرف جا رہے تھے...... تم مذاق کر رہے ہو ناں...... کہہ دو۔'' اس کے آنسو اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

''نہیں...... آئی...... لو......'' اس کی آواز بہت مدھم تھی پھر اسپیکر سے بہت ساری آوازوں کا شور سنائی دیا اور ساتھ ہی جیسے موبائل بند ہو گیا۔ شاید آف ہو گیا تھا یا گر گیا تھا۔

''نہیں......'' اس کے لبوں سے نکلا اور پھر وہ نہیں، نہیں کی تکرار کرتی ہوئی زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

(جاری ہے)